بوستانِ حسرت

حسرت شروانی

غلط نامہ

بوستانِ حسرت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰	۴	مواجّی	مواجی
۱۱	۱	Sky-rac	Sky-race
۱۲	۸	قصیدے	قصائد
۱۳	۱۲	اسناد	استاد
۱۵	۶	بنای	بنائی
۲۱	۱۳	زندگی بخشی	زندگی بخش
۲۲	۱	لوازے	لوازم
۲۵	۳	الہی	الٰہی
"	۵	الہی	الٰہی
"	۷	الہی	الٰہی
"	۷	خرشید	خورشید
۲۷	۹	دانہ	دانہ
۲۸	۳	جانی	جانے
۲۹	۹	نہتی	نمی
۳۴	۶	زنداں	رنداں
۳۹	۴	ندارم	دارم
۴۱	۳	ہم نالگی ار	ہم نالگی
۴۴	۴	عیشی	عیشے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵	۲	عدن	عدنِ
۴۷	۳	جان	جاں
״	۷	گلِ	گل
״	۱۱	درمان	درماں
۵۰	۲	مژدہِ	مژدۂ
۵۱	۳	سردیِ	سردیٔ
۵۲	۶	رحمٰن	رحمٰں
۵۳	۱۱	بگلِ	بگلُ
۵۵	۶	دارند	دادند
۵۶	۱	ناکامی	ناکامیٔ
۵۷	۸	د	و
۵۸	۴	آواں	آوانِ
۵۹	۴	دیوان	دیواں
۶۵	۱	کا	کہ
۶۸	۳	دودماں	دودمانِ
״	۴	آب	آبے
״	۱۱	جان	جاں
۷۰	۱	یادِ ...	یاد ...
۸۰	۱	ینالایم	بینالایم
۹۹	۵	درنہان	دربتاں
۱۰۸	۱۰	ہوس	ہوس
۱۳۰	۳	رحمٰن	رحمٰں

۶۷۸۶

تقریب

فارسی زبان کی شیرینی اور فارسی غزل کی رنگینی کون نہیں جانتا۔ علامہ شبلی نے سچ کہا ہے:- "عشق[1] و محبت کا جذبہ فطرتِ انسانی کا خمیر ہے۔ اس لئے تمام دنیا کی شاعری میں عشقیہ شاعری، اور سب انواع شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہے لیکن ایران اِس خصوصیت میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔" درحقیقت ایران کی تہذیب و تمدن، عیش و تنعم، آب و ہوا اور حسن و جمال نے اہل ملک کے جذبات عشق و محبت میں ایک آگ سی لگا دی تھی۔ سعدی۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری کسی کی غزل[2] اٹھا کر دیکھئے تو آپ پائیں گے کہ عشق کے نازک سے نازک جذبات۔ اور حسن کی لطیف سے لطیف ادا کو یہ لوگ اس خوبی سے بیان کر جاتے ہیں کہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ محبوب کی آمد پر تمام شکوے شکایتیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کو سعدی یوں ادا کرتے ہیں:-

گفته[3] بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم   چه بگویم که غم از دل برود چوں تو بیائی

یا یہ بیان کرنا ہے کہ معشوق کی اداؤں کے سامنے جان کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کے لئے

---

[1] شعر العجم جلد پنجم [2] غزل کے موافق و مخالف حال میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مگر یہاں اس بحث کا محل نہیں [3] غالب لکھتے ہیں: "اُن کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔"

حافظ یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں:۔

اے خوشا حالتِ آں مست کہ در پائے حریف   سر و دستار نداند کہ کدام اندازد

اُس مست کی حالت قابلِ رشک ہے جو مستی میں معشوق کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے یہ نہیں سوچتا کہ سر نذر کروں یا دستار۔ یا مثلاً عاشق کی وحدت پسند طبیعت غمِ روزگار کو بھی غمِ عشق میں جذب کر لیتی ہے۔ اس مضمون کو عرفی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے:۔

در دلِ ما[1] غمِ دنیا غمِ معشوق شود   بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

اسی طرح نظیری محبوب کے آفتاب و شمع ہونے کی طرف کس لطف سے اشارہ کرتا ہے کہتا ہے:۔

بازم[2] بہ کلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب   بام و درم ز ذرّہ و پروانہ پُر شدہ است

یعنی میرے جھونپڑے میں کون آگیا کہ شمع اور آفتاب کے نہ ہوتے ہوئے بھی تمام گھر ذرّوں اور پروانوں سے بھر گیا ہے۔ غرض مثالیں کہاں تک پیش کی جائیں۔ مقصود یہ ہے کہ فارسی غزل ایک باغِ پُربہار ہے جس کی کسی روش پر بھی نکل جائیے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں فارسی کا مذاق غزنویوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔ فارسی کا پہلا شاعر غالباً مسعود سعد سلمان ہے جو عہدِ سلطان ابراہیم غزنوی میں لاہور کا گورنر تھا۔ اس کے بعد پٹھان سلاطین کے دورِ حکومت میں ہمیں جمال دہلوی حسن[3] بدایونی (جو حسن سنجری دہلوی کہلاتے ہیں) بدر چاچی مظہر گجراتی وغیرہ متعدد خوش گو شعرا ملتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو کے کوکبۂ خسروی نے سب کی شوکت کو ماند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ مغلیہ حکومت

---

[1] آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا   جو غم ملا اسے غمِ جاناں بنا دیا۔ (اصغر)

[2] داغ کا شعر ملاحظہ ہو:۔   رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے

[3] ملاحظہ ہو کلیاتِ حسن مطبوعہ حیدرآباد

کا عہد آگیا۔ مغل بادشاہ و اُمرا نہ صرف قدر دان بلکہ خود سلیم المذاق تھے۔ ہر طرف دولت و ثروت کی افراط۔ اور حسن و عشق کی چہل پہل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے فارسی شعرا ہندی الاصل ہوں یا ولایت زاد۔ کمالِ فن اور لطفِ سخن میں ایرانیوں سے بازی لے گئے خود صائب کا اعتراف سنیئے۔ کس مزے سے کہتا ہے:۔

نیست[1] در ایران زمیں سامان تحصیل کمال　　تا نیامد سوئے ہندستاں حنا رنگیں نہ شد

اصل یہ ہے کہ بابر و ہمایوں نے شعر و ادب کے پودے کی پرورش کی۔ اکبر کے عہد میں یہ چھتنا درخت بن گیا۔ جہانگیر و شاہ جہاں کے دور میں اہل کمال نے اس کا پھل کھایا اور اس کے سایہ میں آرام پایا۔ اکبر[2] کے دربار کے شعرا کی فہرست جو ابوالفضل۔ بدایونی اور نظام الدین نے دی ہے کافی طویل ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری مغل بادشاہ کے زمانہ میں خاتم الشعراء مرزا غالب پر آکر ختم ہو گیا۔ مرزا خود کہا کرتے تھے کہ ہند میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین (خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالب) پر ختم ہو گئی۔ مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ غالب کے بعد کوئی شاعر یا اچھا شاعر پیدا ہی نہیں ہوا۔ البستہ یہ درست ہے کہ کوئی صاحب[3] طرز یا مشہور استاد منصۂ شہود پر نہ آیا۔ ورنہ غالب اور اُن کے معاصرین[4] کے بعد بھی فارسی کے بعض خوش گو شعرا[5] پیدا ہوئے۔ جن میں حالی شبلی

---

[1] یہ ہندرفتن حنا فارسی کا ایک محاورہ ہے جس سے حنا کا سیاہی مائل ہونا مراد ہے۔ [2] اسی دور میں آکر فارسی شاعری نے ایک خاص انداز اختیار کیا جس کو سبک ہندی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ اس کی بنا خسرو کے عہد ہی سے پڑ گئی تھی [3] اقبال ایک نئی شریعت شاعری کے مجتہد ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا [4] غالب نے ایک شعر میں اپنے معاصرین کا ذکر کیا ہے۔ مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگاہ حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان [5] یوں تو تقریباً ہر شہر میں فارسی کے اچھے شاعر ہو گذرے ہیں۔ مگر ان کو شہرت عام کے دربار میں جگہ نہ ملی۔

خواجہ عزیز۔ شاہ عزیز اللہ عزیز وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی قابل ذکر گروہ میں جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب حسرت شروانی مدظلہ کا بھی شمار ہے۔ نواب صاحب کی ذات مستجمع الصفات کو اگر اس معنی کر ذوالریاستین کہا جائے تو بجا ہے کہ قدرت نے آپ کو دنیاوی ریاست کے ساتھ علم و ادب کی صدارت بھی عطا فرمائی۔ آپ کا علم و تبحر۔ فراست و تدبر۔ نادر کتاب خانہ۔ اور مذہبی و قومی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ جن پر یہاں نہ بحث کی ضرورت نہ موقع۔ ہمارا مقصد صرف نواب صاحب کے فارسی کلام موسوم بہ بوستانِ حسرت پر اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ یہ ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو ۲۸ غزلیات ایک مخمس نعت اور چند قطعات تاریخی وغیر تاریخی پر مشتمل ہے۔ متعدد ردیفیں خالی ہیں۔ اور کسی میں ایک ایک دو دو غزلیں ہیں۔ اور رسمی شاعروں کی طرح ردیفوں کی خانہ پری کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ موصوف کو شعر و ادب سے فطری ذوق ہے۔ اور اسی ذوق کے ماتحت کسی خاص تحریک یا جذبہ سے متاثر ہو کر احیاناً فکر شعر فرماتے ہیں۔ تاہم دیوان کا ہر پڑھنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ آپ کے یہاں اس مختصر مجموعے میں بھی رفعت خیالات۔ وصدق جذبات کے ساتھ لطافت بیان اور سلاست زبان کی کمی نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اپنے دعوے کے ثبوت میں موصوف کے دیوان سے چند مثالیں پیش کریں۔ معشوق کی لطافت طبع کے متعلق ایک موقع پر نہایت لطیف پیرایہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

این ہمہ پاکی گوہر نتواں یافت بخاک گمر از شیرۂ جانت بدنے ساختہ اند

یعنی عنصر خاکی میں یہ لطافت بھلا کہاں سے آئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تیرا جسم روح کے جوہر سے بنا ہے۔ غور کرنے کی جگہ ہے جس کے جسم کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ روح نہیں بلکہ

روح کے جوہر سے اس کا خمیر ہوا ہے تو خود اس کی روح کی پاکیزگی کس پایہ کی ہوگی۔
درحقیقت تصور کے لئے کس قدر وسیع میدان شاعر نے مہیّا کر دیا۔ العظمۃ للہ۔

اسی غزل میں کہتے ہیں:-

منّت رائحۂ نافہ و غنچہ نکشند　　　　سرخوشانے کہ ببوئے دہنے ساختہ اند

عاشقان مست جو کسی کی بوئے دہن پر قناعت کئے بیٹھے ہیں مشک و غنچہ کی خوشبو کا احسان نہیں اُٹھایا کرتے "ببوئے دہنے" کا ٹکڑا جو لطف دے رہا ہے وہ ادب فارسی کے اداشناسوں سے پوشیدہ نہیں۔ نواب صاحب کی شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مخاطب اگرچہ حسین مجاز کا پیکر۔ اور گوشت پوست کا واقعی انسان ہے لیکن جمال ظاہر کے ساتھ کمال معنی سے آراستہ ہے۔ اسی کے ساتھ خود اُن کا جذبۂ محبّت بھی پاکیزگی اور وفا پرستی کے اوصاف سے متصف ہے۔ ملاحظہ ہو:-

من و خیال رخے، بے نیازم از گلشن　　　　من و جمال جہے، آفتاب را چہ کنم

بے نیازانہ ز سیر گل و گلشن گزرند　　　　بیدلانے کہ بہ گل پیرہنے ساختہ اند

بعض پوری کی پوری غزلیں کسی خاص واقعے سے متاثر ہو کر لکھی ہیں جن میں واقعیت کی بنا پر تاثیر۔ اور مسلسل ہونے کی وجہ سے زور پیدا ہو گیا ہے۔ سچ ہے:-

از دل می خیزد و بر دل می ریزد۔ مثلاً وہ غزل جس کا مطلع ہے:-

در حریم وصل جانانم وطن خواہد شدن　　　　شمع بزم انس آں راہ خفتن خواہد شدن

یا

رلبودہ ہوش و قرارم غزال رعنائے　　　　نگار مست خرامے بلند بالائے

اکثر غزلیں اساتذۂ قدیم کی زمینوں میں لکھی ہیں اور کامیاب شعر نکالے ہیں جن پر کہیں کہیں

علامہ شبلی۔ اور خواجہ عزیز جیسے سخن گو اور سخن سنج ناقدان ادب نے تحسین فرمائی ہے۔

حضرت ممدوح کے کلام میں متعدد مواقع پر عالی ہمتی و بلند حوصلگی کے مضامین اس خوبی سے نظم ہوئے ہیں کہ بے ساختہ دل سے داد نکلتی ہے۔ چند مثالیں سنئیے اور لطف اٹھائیے۔

مثلاً جب آپ حیدر آباد سے ترک تعلق کر کے وطن کی جانب واپس آ رہے ہیں تو ریل کے سفر میں یہ شعر کہا:۔

شاہباز ہمتم ربطے بدستِ شاہ داشت　　　خوش نکردہ بند دستِ دیگراں پرواز کرد

شاہباز کا بادشاہوں کے ہاتھ سے تعلق قدیم رواج کی طرف اشارہ کر رہا ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بادشاہ کے ہاتھ سے تعلق رہا میری ہمت کا شاہباز پابند رہا لیکن جب دوسرے لوگ دخیل ہو گئے تو اس کو یہ محکومی گوارا نہ ہوئی اور اُڑ گیا۔

ہمتِ ما سر نمی آرد بمال و زر فرود　　　دولتِ ما بس بود آں شوخِ سیم اندامِ ما

اگرچہ انداز میں کوئی ندرت نہیں۔ تاہم شعر سے شاعر کی عالی ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔

سرِ آزادگاں برپائے دوں طبعاں لو حیف است　　　اگر خاک رہِ جاناں نشد بردار بایستے

آزاد مزاجوں کے سر کے لئے دو ہی مصرف یا محل ہو سکتے ہیں۔ یا راہ دوست کی خاک ہوں یا دار کی زینت بنیں۔ یہ کیا غضب کہ ایسا سر اور ذلیل فطرتوں کے قدموں پر۔ خیال کی رفعت اور بیان کی لطافت داد سے مستغنی ہے۔ لطافت بیان کی تمثیل میں چند شعر اور ملاحظہ ہوں جن سے قارئین کرام کو محروم رکھنا ہمارے نزدیک ظلم ہے۔

دارم امید صلح ازاں چشم جنگ جو　　　جمعیتے ز زلف پریشانم آرزوست

بادِ چمن علاجِ تپِ دل نمی کند　　　عیسیٰ دمی ز گوشۂ دامانم آرزوست

نہ کردہ جلوہ بتِ شوخ و باختم دل و دیں　　اگر برافگند از رخ نقاب را چہ کنم

توانم ایں کہ لبِ خود بہ مے نیالایم　　سیاہ مستئ عہدِ شباب را چہ کنم

خلق را بسکہ گماں ہاست بہ ہشیارئ خویش　　جلوہ فرماؤ بگیے بپرس کہ ہشیار کجا ست

آپ کے کلام میں بیان کی سلاست اور زبان پر قدرت کی مثالیں بکثرت ہیں مثال کے طور پر وہ نظم پڑھیئے جو "کسی" کے ریمارک کے جواب میں تحریر کی ہے۔ آغاز یہ ہے:-

اے کہ از غایتِ لطافتِ طبع　　سحرِ نوبہار را مانی

خاتمہ کا شعر سننے کے قابل ہے۔

گفتۂ طالب رضائے توام　　من ویزداں کہ من فدائے توام

ایک جگہ لکھتے ہیں:-

حسرت ز بوئے باغ دماغم نمی رسد　　بوئے دفا ازاں گلِ خنداں مرا آرزوست

دماغ رسیدن فارسی میں مست و سرخوش ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ کہیں کہیں کلام میں شوخی اور بے باکی کی ادا بھی جھلکتی ہے۔

چوں نخواہد داشت تابِ بوسہائے بیدریغ　　آں لبِ میگوں برنگِ یاسمن خواہد شدن

تشنیم منتِ بختِ بلند خود روزے　　کہ در کشیم ببر آں بلند بالا را

ممکن ہے کہ بعض ثقہ طبائع ان اشعار پر چیں بہ جبیں ہوں۔ مگر جذبات کے دریا کا بند باندھنا آسان نہیں۔ چلتے چلتے دو شعر تعلّی اور زورِ بیان کے بھی سنتے جائیے فرماتے ہیں:-

از بدخشاں لعل و از عمّاں گہر　　جوہرِ طبعم ز کانے دیگر ست

نغمہ ہائے طوطی و بلبل خوش است　　حسرتِ ما را فغانے دیگر ست

ان چند سطور پر یہ تقریب ختم کرنے سے پہلے ہم اپنے مخدوم حضرت نواب صاحب ثریا جنگ بہادر

مدظلہ العالی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے بغایت ذرّہ نوازی مجھے اپنے کلام فارسی کو طبع کرانے اور شائع کرنے کی سعادت بخشی۔ ع

کُلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

استاذی پروفیسر مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی کا بھی منّت گذار ہوں کہ اس خوش گوار فرض کی ادائیگی میں آپ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء[1]

سلطان جہاں منزل
علی گڑھ

سیّد الطاف علی بریلوی

یکم مئی ۱۹۴۹ء

---

[1] "خوش گفتی و دُر سُفتی" حسرت شروانی

غزل فارسی

(از خامہ نواب صدریار جنگ بہادر مدظلہ)

حُسنِ اتفاق کا کرشمہ دیکھو۔ حکومت عرب سے عجم کا آزاد ہونا اور فارسی لٹریچر کا ادب عرب کی حکم رانی سے نکلنا ساتھ ساتھ ہوا۔ عجمی فرماں روا فتوح عرب کی روح کے حلقہ بگوش رہے۔ یعنی انھوں نے مسلمان رہ کر سلطنت کی۔ اسی طرح فارسی شاعری جانِ نظم عروض وقافیہ میں عربی شاعری کے تابع فرماں رہی۔ صورت کو چھوڑ کر معنی کو دیکھو تو متنبیؔ اور خاقانیؔ اپنی بلند پروازیوں میں خیالات کے ایک ہی آسمان سے تارے توڑ کر صفحۂ کاغذ کو منور کرتے ہیں۔ دولت شاہ نے اپنے تذکرے میں شعرائے فارسی کے دور قائم کئے ہیں۔ مقدمہ میں متنبیؔ وغیرہ شعرائے عرب کا ذکر کیا ہے اور اس طرح فارسی شاعری کی ابتدا کو عربی شاعری کی انتہا سے ملا کر سلسلہ مسلسل کر دیا ہے۔

فہم انسان کی نارسائی دیکھئے۔ جس چیز کی آغاز کی تلاش میں اُٹھتی ہے انجام کار قیاس کی بھول بھلیوں میں سرگردانی اُٹھاتی ہے۔ یہی حال فارسی شاعری کی ابتدا کا ہے۔ بہرام گور کا عالم سرخوشی میں پہلا مصرع کہنا۔ یعقوبؔ لیث کے چھوٹے سے بچے کی زبان سے موزوں مصرع کا نکل جانا، مٹے سے نشان ہیں جو پیک خیال کو منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ قیاس کی مکر چاندنی سے نکل کر واقعات کی صبح صادق کے نور میں آؤ تو رودکی کا دل کش ترانہ سامعہ نواز ہوتا ہے۔

اس پُرشکوہ قافلہ کی قافلہ سالاری ابوالحسنؒ[1] رودکی کی قسمت میں تھی۔ دربار سامانی

---

[1] ابوالحسن عبداللہ رودکی سمرقندی مادح امیر احمد نصر سامانی والی بخارا وفات نصر سامانی سنہ ۳۳۱ ہجری

کی عظمت کے جہاں اور سازوسامان تھے وہاں ملک الشعرا رودکی کا طمطراق بھی تھا جس کی جلو میں دو سو زرّیں کمر غلام چلتے تھے۔ قلندر مزاج شعرا اگرچہ ہمیشہ رودکی کی شوکت کے خیال میں رہے۔ لیکن یہ دل کش خواب پھر بہت ہی کم نظر آیا۔ ظاہر ہے کہ اس اوج موج میں مواجئ خیال کے حوصلے قصیدے ہی کے میدان میں نکل سکتے تھے۔ ہجری چوتھی صدی کا آغاز رودکی کا دور ہے۔ اس زمانہ سے سعدی کے زمانہ تک (وفات سعدی ۶۹۱ھ ہجری) قصیدے کا دور اور زور سمجھنا چاہیئے۔ اس چار سو برس کے عرصے میں قصیدے نے نشو و نما کے مختلف مدارج طے کئے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی، جوانی سے کہولت، کہولت سے بڑھاپا۔ زندگی کی یہی منزلیں ہیں۔ یہی منازل قصیدے کو پیش آئیں۔ خاقانی[1] کا زمانہ (چھٹی صدی ہجری کا درمیانی حصّہ) قصیدے کے شباب کا زمانہ تھا۔ دورِ شباب زور و شور کا زمانہ ہے۔ اس وقت کے قصائد مبالغہ کے زور میں طوفان سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ جوانی اور جنون کا ڈانڈا ملا ہوا ہے۔ شباب قصیدے کی مدّاحی ستائش کا جنون ہے۔ ممدوح زمین پہ ہے وہ آسمان پہ بتا رہے ہیں۔ ہاتھ کے اشارے سے دکھاتے ہیں۔ کوئی نہ دیکھے تو ہاتھ سے اُس کا منھ اوپر کو اُٹھا دیتے ہیں۔ نہ مانے تو دلیل سے سمجھاتے ہیں۔ اس پہ بھی نہ سمجھے تو ہجو سے سمجھاتے ہیں۔ سلح خانے کی چھت سے ہمیشہ چرخ ہفتم کے فرشتے تنگ رہے۔ اگر پٹا دُاتنا اونچا نہ ہو تو مریخ دوز تیز سے کہاں رکھے جاتے۔ ڈربی کی گھوڑ دوڑ میں تیزی رفتار کا معیار سکنڈ اور منٹ ہیں۔ ہمارے شعراء کے ممدوحوں کے گھوڑے صدہا برس ہوئے اُس

---

[1] خاقانی شروانی وفات ۵۸۲ھ ہجری

ریکارڈ کو توڑ چکے ہیں۔ یہ چند منٹ اور سکنڈ میں "اسکائی ریس (Sky races)" کا دَور پورا کرتے ہیں۔ وہ چشم زدن میں دَورِ فلک سے باہر نکل جاتے ہیں۔ مبالغہ کے مضامین پر خواہ ہنسو خواہ سوسائٹی کے مذاق سے عبرت حاصل کرو لیکن شکوہِ کلام، قوتِ ادا، زورِ بیان اور روانیٔ سخن کو دیکھ کر تم بے اختیار آفریں کہہ اٹھو گے۔ شباب کے بعد پیری ہے۔ پیری میں شباب کی باتیں خواب کی باتیں ہیں۔ مرزا غالب بہادر شاہ کی مدح میں وہی مضامین صرف کرتے ہیں جو عنصری نے سلطان محمود کی ستائش میں باندھے تھے۔ یہ خیال کا خواب نہیں تو کیا ہے۔ بیان میں سحر کی تاثیر ہے۔ غالبؔ و قاآنیؔ کی جادو بیانی قصیدے کے ناتواں جسم میں پھر روحِ جوانی پھونک گئی۔

قصیدہ جس قدر منجھتا گیا اُسی قدر اُس میں سے مغلق الفاظ، دشوار ترکیبیں اور مشکل مضامین چھٹتے گئے۔ جہاں قصیدے کی سرحد غزل سے ملی ہے وہاں قصیدے کی صفائی غزل کی روانی سے ہمدوش ہے۔ شعراء کے چوتھے طبقہ میں کمال اصفہانی ہے جس کو دربارِ کمال سے "خلاق المعانی" کا خطاب مِلا ہے۔ اس کے قصیدے کی صفائی تیغِ اصفہانی کے جوہر کو شرماتی ہے۔ اسی طبقہ میں غزل گویوں کے امام شیخ سعدیؔ جلوہ فرما ہیں۔ اُن کا کلام "کالملح فی الطعام" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا دیوان "شعرا کا نمک دان" کہلایا۔ صفائیٔ کلام کے علاوہ غزل کے لئے شکستگی و خستگی بھی درکار ہے۔ جب غزل کے فروغ کا زمانہ آیا تو شکستگی و خستگی کے اسباب بھی پیدا ہو گئے۔ ساتویں صدی میں تاتار سے ایک سیلابِ بلا اُمڈا جو عجم کو تاخت و تاراج کرتا ہوا نکل گیا۔ یہ ایک قہر تھا جس نے سارے کارخانے

درہم برہم کر دیئے۔ دربار لٹ گئے۔ تاجداروں کے سر کٹ گئے۔ گرمیٔ ہنگامہ کافور ہوئی اور ہر طرف افسردگی چھا گئی۔ اس سے بہتر وقت غزل کے فروغ کے واسطے کون سا ہو سکتا تھا ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

یہی زمانہ ہے کہ شیراز سے غزل کا ترانہ بلند ہوا۔ جس طرح ملکی سلطنت بدلی اُسی طرح کشورِ سخن کا انقلاب ہوا۔ خلافت کا چشم و چراغ مستعصم بغداد میں شہادت سے سرخرو ہوا۔ اصفہان میں کشور قصیدے کے تاجدار کمال اصفہانی کو سعادتِ شہادت نصیب ہوئی۔ عبرت کا تماشا دیکھو۔ جس قتلِ عام نے قصیدے کا تاج اُتارا اُسی نے غزل کو تختِ اقبال پر بٹھایا۔ یہی تاتاریوں کا ہنگامہ تھا جس نے سعدی کی طبیعت میں افسردگی و شکستگی پیدا کی۔ اس طرح زوال قصیدہ اور کمالِ غزل ایک ہی سبب کے دامن سے وابستہ ہیں۔ سعدی کے سینے میں عشق کا سوز اور دماغ میں حکمت کا نور نہاں تھا۔ سوزِ غزل کے پردے میں چمکا حکمت کی بُو گلستاں، بوستاں میں مہکی۔

عام طور پر شیخ سعدی غزل کے مجتہد اوّل مانے گئے ہیں۔ تلاش اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ تقدم کا شرف خواجہ سنائی غزنوی کو حاصل ہے۔ خواجہ ممدوح دوسرے طبقہ میں ہیں۔ اُن کے معاصر خاقانی و انوری کی غزل قصیدے کا اُترا ہوا خاکہ ہے۔ لیکن خواجہ کی غزل میں وہ صفائی اور ملاحت ہے جو آگے چل کر حافظ اور سعدی کا حصہ ہو گئی۔

یہ ضرور ہے کہ سعدیؔ سے پہلے غزل قصیدے سے دبی ہوئی تھی۔ شیخ کے زورِ طبع نے اُس کو اتنا بلند کر دیا کہ اُس نے قصیدے کو دبا لیا۔ امیر خسروؔ نے سوز و گداز کو چمکایا۔ حسنؔ دہلوی نے لطافت سے اُس کا حسن دوبالا کیا۔ سعدیؔ کے بعد سلمانؔ ساؤجی اور عبیدؔ زاکانی با کمال قصیدہ گو گزرے ہیں۔ انھوں نے قصیدے کو اُبھارا۔ لیکن پھر اُس کا رنگ نہ جما۔ دولت شاہ نے سلمانؔ ساؤجی کے دور کو غزل گویوں کا دور لکھا ہے۔ قصیدے کے ساتھ ہی ساتھ مثنوی بھی عالمِ وجود میں آئی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قصیدے کے عہد میں قصیدے اور غزل کے دور میں غزل سے دبی رہی۔ دورِ اوّل میں اساتذہ مثنوی فردوسیؔ، سنائیؔ، عطارؔ، خاقانیؔ، مولانائے رومؔ اور نظامیؔ وغیرہ گزرے ہیں۔ دورِ ثانی میں سعدیؔ، خسروؔ، جامیؔ، خواجوؔ، فیضیؔ، ظہوریؔ، زلالیؔ وغیرہ، مثنوی کا اشکال اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک مشکل سے تیس۳۰ چالیس۴۰ مثنوی گو ایسے نکلیں گے جو شہرت کے دربار میں باریاب ہوئے ہوں۔ حال آں کہ قصیدہ اور غزل کے استاد صدہا مشہور ہیں۔

ہم نے تفحص کے بعد غزل کے بارہ دور قائم کئے ہیں۔ ہر دور میں جن اساتذہ کا دور دورہ رہا اول اُن کے نام تقدیم و تاخیر کی ترتیب سے لکھے ہیں۔ پھر ہر ایک کے کلام کا نمونہ دکھایا ہے۔ اور اپنی فہم ناقص کے مطابق ہر دور کی خصوصیتیں جتائی ہیں۔ خاتمۃ الباب شیخ علی حزیںؔ ہیں۔ بنارس جا کر ان کی قبر دیکھیو۔ بیکسی کہہ رہی ہے کہ باغِ سخن کا بلبل زار نالوں سے چور، حسرتِ بہار کو دل سے لگائے یہیں سو رہا ہے۔ پتھر کا دل ہوگا جو سنگِ مزار کے اشعار پڑھ کر بے تاب نہ ہو جائے گا۔ اشعار ؎

زباں دانِ محبت بودہ ام دیگر نمیدانم ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید ایں جا
حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم سرِ شوریدہ بربالینِ آسایش رسید ایں جا

دلِ حزیں سے یہ مضمون غزل کا مرثیہ بن کر نکلا ہے۔ جو جوشِ جنوں صدہا برس فارس، عراق عجم، خراسان، ماوراءالنہر اور ہندوستان کی خاک چھانتا رہا آخر ٹھنڈا ہو کر کاشی کی سرزمین میں خاک میں مل گیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ بنارس میں قیدِ حیات سے آزاد ہونے والے پھر جنم نہیں لیتے تو مان لو کہ اب قیامت تک غزلِ فارسی اسی قبر کی مجاور رہے گی۔ ظاہری اسباب کی تیکھی چتون بھی یہی اشارہ کرتی ہے۔ لوحِ مزار کا آخری شعر اسی انجام کی خبر دے رہا ہے۔ شعر

روشن شد از وصالِ تو شبہائے تارِ ما
صبحِ قیامت است چراغِ مزارِ ما

دورِ اوّل۔ ابوالفرج رونی۔ منوچہری دامغانی۔ مسعود سعد سلمان۔

دورِ دوم۔ عبدالواسع جبلی۔ خاقانی شروانی۔ انوری ابیوردی۔ ادیب صابر۔ خواجہ سنائی غزنوی۔ ظہیر فاریابی۔ سیف الدین اسفرنگی۔

دورِ سوم۔ نظامی گنجوی۔ شاپور نیشاپوری۔ خلاق المعانی کمال اصفہانی پور بہائی جامی

دورِ چہارم۔ خواجہ فریدالدین عطار نیشاپوری۔ مولانا جلال الدین رومی۔ شیخ سعدی شیرازی۔ اوحدی مراغی۔ عراقی ہمدانی۔ ہمام تبریزی امیر خسرو دہلوی۔ خواجہ حسن دہلوی۔ خواجہ کرمانی۔

دورِ پنجم۔ سلمان ساوجی۔ حسن متکلم۔ ناصر بخاری۔ خواجہ حافظ شیرازی۔

کمال خجندی۔

دورِ ششم۔ سید نعمت اللہ قدس سرہٗ۔ سید قاسم انوار قدس سرہٗ۔ خواجہ عصمت بخاری۔ کاتبی۔ شیخ آذری۔

دورِ ہفتم۔ شاہی سبزواری۔ امین ترلابادی۔ درویش قاسم تونی۔ طاہر بخاری

دورِ ہشتم۔ مولانا جامی۔ خواجہ آصفی۔ ہلالی استرآبادی۔ اہلی خراسانی۔ بنائی ہروی۔ سہیلی۔

دورِ نہم۔ باباؔ فغانی شیرازی۔ لسانی شیرازی۔ میلی ہروی۔ غزالی مشہدی وحشی یافقی۔ محتشم کاشی۔ ولی دشت بیاضی۔

دورِ دہم۔ نقی کمرہ۔ ملک قمی۔ ظہوری ترشیزی۔ شفائی اصفہانی۔ نظیری نیشاپوری۔ عرفی شیرازی۔ فیضی اکبرآبادی۔ ثنائی مشہدی۔ شاپور طہرانی۔ طالب آملی۔ اسیر شہرستانی۔

دورِ یازدہم۔ صائب تبریزی۔ سلیم طہرانی۔ کلیم ہمدانی۔ صیدی طہرانی۔ شوکت بخاری۔ طاہر قزوینی۔ فطرت مشہدی۔ عالی شیرازی۔

دورِ دوازدہم۔ (خاتمۃ الباب) شیخ علی حزیں لاہیجانی۔

دورِ اوّل۔ ابوالفرج رونی۔ منوچہر دامغانی۔ مسعود سعد سلمان۔

ابوالفرج رونی (مادح ابو علی سیجور تھا۔ جو قبل ظہور دولت سلطان محمود و سلاطین سامانیہ کی طرف سے صوبۂ خراسان میں گورنر تھا۔ وفاتِ ابو علی سیجور ۳۸۷ھ ہجری) ۵

بیا مدی صنما بر دو پائے بنشستی   دلم ز دست بروں بردی و دروں خستی

نہ بہست بودی و پندا شتم کہ چوں مستاں   ہمیں بہ حیلہ شناسی بلندی و پستی

سہ روز شد پس ازاں تا ز دردِ فرقتِ تو   نہ ہوشیاری دانم کہ چیست نہ مستی

درست گشت کہ جانِ منی بدیں معنی   کہ تا ز من بگسستی بہ من نہ پیوستی

بہ جانِ جاناں اگر تو بدستِ خویش دلم   چنانکہ بردہ امروز باز نفرستی

ولہٗ

چہ دلبری چہ عیاری چہ صورتی چہ نگاری   نہ گاہ خلوت جفتی نہ وقت عشرت یاری

بغمز عقل گدازی بجنگ چنگ نوازی   بوعدہ روبہ بازی بہ عشوہ شیر شکاری

چو بوسئے خواہم رنگی چو صلح جویم جنگی   چو راست دانم لنگی چہ خوست این کہ تو داری

نہ سوزی و نہ نیازی نہ کاہی و نہ فزائی   نہ بندی و نکشائی۔ چہ دیو دست سواری

شگفت یوسف روئی چرانہ یوسف خوئی   بلے قرینۂ روئی۔ ولیک گرگ بیاری

منوچہر دامغانی (سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں تھا) جلوس سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ
وفات سنہ ۴۲۱ ہجری ھ

بارخت اے دلبر عیار یار   نیست مرا نیز دگر بار بار

دو رخ رخشاں تو گلنار گشت   بر دلِ من ریختہ گلنار نار

چشم تو خونخوارہ ہر جا دوے   ماندہ ازاں چشمک خونخوار خوار

بندہ ہوا دارد ہوا خواہ نیست   بندہ ہوا خواہ و فا دار دار

داد کن اے کودک و بردار جور   مہر پیش آرد بردار وار

بے تو دل آزار دمن آزردہ دِل   دِل شد از آزار و دل آزار زار

ولہٗ

اے باعدوے ماگر رندہ ز کوے ما — اے ماہروے شرم نہ داری ز روے ما
نامم نہادہ بودی بہ بدخواہ جنگ جو — با ہر کسے ہمی گلہ کردی ز خوے ما
جستی و یافتی دگرے بر مراد دل — رستی ز خوے ناخوش واز گفتگوے ما
اکنوں بجوے اوست رواں آب عاشقی — آں روز شد کہ آب گذشتے بجوے ما
گویند سرد تر بود آب از سبوے تو — گرم است آب ما کہ کہن شد سبوے ما
اکنوں یکے بکام دل خویش یافتی — چندی بہ خیرہ خیرہ چہ گردی بکوے ما

مسعود سعد سلمان جرجانی (مادح سلطان محمود و مسعود و ابراہیم غزنوی) جلوس سلطان مسعود سنہ ۴۲۱ھ وفات سنہ ۴۳۲ھ۔ جلوس سلطان ابراہیم سنہ ۴۵۱ وفات سنہ ۴۸۰ھ

آمد آہستہ با کرشمہ و ناز — دوش نزد من آں نگار طراز
زلف پر پیچ بر شکستہ بہ گل — چشم پر خواب سرمہ کردہ بناز
بر نہادہ بہ ابرواں چوگاں — تیر غمزہ بچشم تیر انداز
گفتمش چوں روی بنومیدی — جنگ مانند مار کرد آغاز
اے نیازے مرا نیاز بہ تست — ور چہ دارد بمن زمانہ نیاز

من چو پرداختم بمہر تو دل
تو زمانے بوصل من پرداز

ولہٗ

اے سلسلۂ مشک فگندہ بقمر بر — خندیدہ لبِ پُر شکرِ تو بہ شکر بر
چوں قامتِ تو نیست سہی سرو خراماں — چوں چہرۂ تو نیست گلِ لعل ببر بر
چنداں غم و اندوہ فراز آمدہ در دل — کاندودہ شدہ اندہ و غم یک بدگر بر
دل شد سپر جاں ز نہیبِ مژۂ تو — تا چوں مژہ زخمے زند آخر بہ جگر بر
تا ہجر نشستہ است بہ نزدیک تو ساکن — ایں وصل سراسیمہ بماندہ است بدر بر
بر تو گذرم رشتے بتابی ہمی از من — گوئی کہ ندیدی تو مرا جز بگذر بر
من بر تو ہمی ہرچہ کنم دست نیابم — اے رشکِ قمر دست کہ یابد بقمر بر

ریویو دورِ اول کے جن اساتذہ کی چند غزلیں ملیں درج کی گئیں، نمونہ انداز کے لئے کافی ہیں، عبارت و معنی دونوں پر غور کیجئے۔ مطلع ہے، غزل کے کل شعر ہم قافیہ و ہم ردیف ہیں۔ مقطع نہیں۔ بندش اور الفاظ کی ترکیب لفظی صاف کہہ رہی ہے کہ قصیدہ گویوں کا کلام ہے۔ نزاکت و لطافت، استعارہ و مجاز (جو جانِ غزل ہے) معدوم ہے۔ جوش و ولولہ اور سوز و گداز بھی نہیں۔ اِن صفات کے پیدا ہونے کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک تصوف، دوسرا سوسائٹی کا رنگ۔ تصوف ان شعرا میں نہ تھا سوسائٹی سپاہ کے نعروں اور ہتھیاروں کی جھنکار سے گونج رہی تھی۔ نزاکت کہاں بار پاتی۔ سوز و گداز کو مصروفِ کارزار سپاہی زادہ کیا جانے۔ وہ لوگ سومنات کو دار الشرک ہونے کے لحاظ سے قابل فتح جانتے تھے۔ رہا اُنہیں

سوز و گداز یا حسن کا جلوہ دیکھنا یہ نازک خیالی متاخّرین کے حصّہ میں آئی۔ غالبؔ کہتے ہیں ؎

به سومناتِ خیالم درآے تا بینی
رداں فروز برو دوشهاے زنّاری

ابوالفرج رونی اور منوچہری کی غزلیں پڑھ کر جب مسعود سعد سلمان کی غزل میں یہ شعر نظر آتا ہے ؎

زلف پُر پیچ بر شکسته به گل
چشم پُر خواب سُرمه کرده بناز

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چٹیل میدان کے بعد کوئی سبزہ زار آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ استعارہ و تشبیہ و لطافت غزل کے واسطے کہاں تک ضروری ہے۔ مسعود کا زمانہ سلطان ابراہیم بن مسعود کے عہد تک رہا۔ یہ عہد بہ مقابلہ سلطان محمود و مسعود کے آسائش کا عہد تھا۔ سلجوقیوں سے صلح ہو گئی تھی۔ ابراہیم کے حوصلے اتنے بلند نہ تھے جو محمود و مسعود کی طرح سوسائٹی میں تلاطم برپا رکھتے۔ غالباً اسی آسائش و امن کا رنگ مسعود سعد سلمان کی غزل میں جھلک رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مصروفِ کارزار سوسائٹی کو جس قدر سوز و گداز و محبت کے مضامین پر غور کرنے کی فرصت مل سکتی ہے اُسی قدر سرمایہ اس دور کی غزل میں ہے۔ ان غزلوں کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشتِ قفچاق کا سیدھا سادہ ترکمان اپنے محبوب سے بات چیت کر رہا ہے۔ مضامین کو

دیکھو تو سمجھ جاؤ گے کہ جو مضامین غزل کے لئے روح رواں ہیں وہ اُس عہد میں پیدا ہو چکے تھے۔ معشوق کی جفا کاری، بے وفائی، وعدہ خلافی، منسوب نامہ ہونا، رقیبوں کے ساتھ اختلاط، عاشق صادق سے بے گانگی، ہرجائی ہونا، فراق کے ستم، وصال کی آرزو، سوزِ عشق، عشاق کی وفاداری، اخلاق، آزردگی، خستگی، انتظار، زمانہ کی دشمنی، اشک باری، جامہ دری، بے صبری، زرد روئی، ان کی آنکھ کی تشبیہ ابر سے، چشم معشوق کی خونخوارگی، بدمستی، پُرخوابی، جادوگری، تیر افگنی، بیماری، مژگاں کی تیر اندازی۔ ابرو کی کمان و چوگاں سے تشبیہ۔ رخ کی تشبیہ گل لالہ و ماہ سے لب کی صفات، پُر شکر۔ لب لعل مثل شراب (مرجان) ہونا زلف کے اوصاف۔ مشک، عنبر و قیر نامۂ گنہگاراں[1]۔ آشفتگی۔ پُر پیچ۔ قد کی سرو سہی سے۔ رفتار کی کبک دری سے معشوق کے خطاب۔ تُرک، نگار، کودک، پسر، دوست، لعبت، بُت، صنم صفاتِ معشوق، کمر بستہ ہونا، دلبر، عیار، حوری لقا، نازنین، پریرو، سیم ذقن، پستہ لب، بنفشہ مو، سوارِ (قاصد) کبوتر، باز۔

آج لوگ ایشیائی شاعری کے مضامین کو ان نیچرل (Unnatural) بتاتے ہیں۔ تم اوپر کے مضامین کو غور سے دیکھو۔ عہد محمود و مسعود کا تصور باندھو۔ خراسانیوں کی افتادِ مزاج اور رسوم پر نگاہ ڈالو۔ غزنین اور خراسان کی جغرافیائی حالت سوچو، پھر انصاف سے کہو کہ ان میں کون سی بات ان نیچرل ہے۔

---

[1] دیکھو زلف کی تشبیہ "نامۂ گنہگاران" سے کیا اشارہ کر رہی ہے۔ ۱۲

جب معشوق کی نگاہِ کرم دل میں زخم پیدا کر دے تو ایک جنگ جو جو رات دن تیر و شمشیر کے زخم لگاتار کھاتا رہا ہو اُس حالت کو تیغ زنی و تیر افگنی سے تعبیر کر کس پیرائے میں بیان کر سکتا ہے۔ وہ بنفشہ کا پیچ و تاب، کبک دری کی مستانہ خرامی، سرو کی راستی، گل و لالہ کی رعنائی رات دن دیکھتے رہتے تھے۔ پھر اگر ان چیزوں کو وہ اپنے کام میں لائے تو قانونِ فطرت کی رُو سے کس جُرم کے مرتکب ہوئے۔ درباروں کا شکوہ، مشک و عنبر، مرجان وغیرہ تکلف کے سامان ہمہ وقت پیشِ نظر رکھتا تھا، انھوں نے ان کا نام لیا تو کیا بُرا کیا۔ اصل یہ ہے کہ خود ہماری نیچر بدل گئی۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس دَور کا کلام جہاں تک ہم نے دیکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ ذیل مضامین اس وقت تک غزل میں نہیں آئے تھے۔

واعظوں پہ پھبتیاں، اُمورِ دین کا استخفاف، معجزات کی بے ادبی، مے و میخانہ، دیر و بتخانہ، لوازمِ آتش پرستی، بلبل و گل، شمع و پروانہ، انداز و ادا، لب کی صفت میں آبِ حیات و زندگی بخشی۔ آنکھ کی تعریف میں قاتل و کشتن خط و خال وغیر ذالک۔

یہ دَور غزنین و بخارا میں گزرا ہے جو فقہ وغیرہ علوم دینیہ کے اور علماء کے اثر کے مرکز تھے۔ سلطان محمود و مسعود کے حالات پڑھو۔ تو معلوم ہوگا کہ دونوں پر علماء کی صحبت کا کیا اثر تھا۔ اس حالت میں جو باتیں خلافِ دین تھیں وہ بآسانی قلم سے نہیں نکل سکتی تھیں۔ گل و بلبل چمنستانِ غزل میں آنے کے لئے غالباً بہارِ شیراز کا انتظار کر رہے تھے۔ شمع و پروانہ

بزمِ عیش و عشرت کے لوازمے ہیں۔ میدانِ جنگ میں عیش و عشرت کہاں۔
لب کی حیات بخشی آنکھوں کا قاتل ہونا۔ نزاکت و لطافت کے جوہر ہیں جو
قبا خوین کی جانکاہیوں سے چمکے۔ دَورِ اول میں ان مضامین کا نہ ہونا
ہماری شاعری کی حد درجہ نیچرل ہونے کی دلیل ہے۔

• — • — • ⁘ ⁘ ⁘ — • — •

۲۳
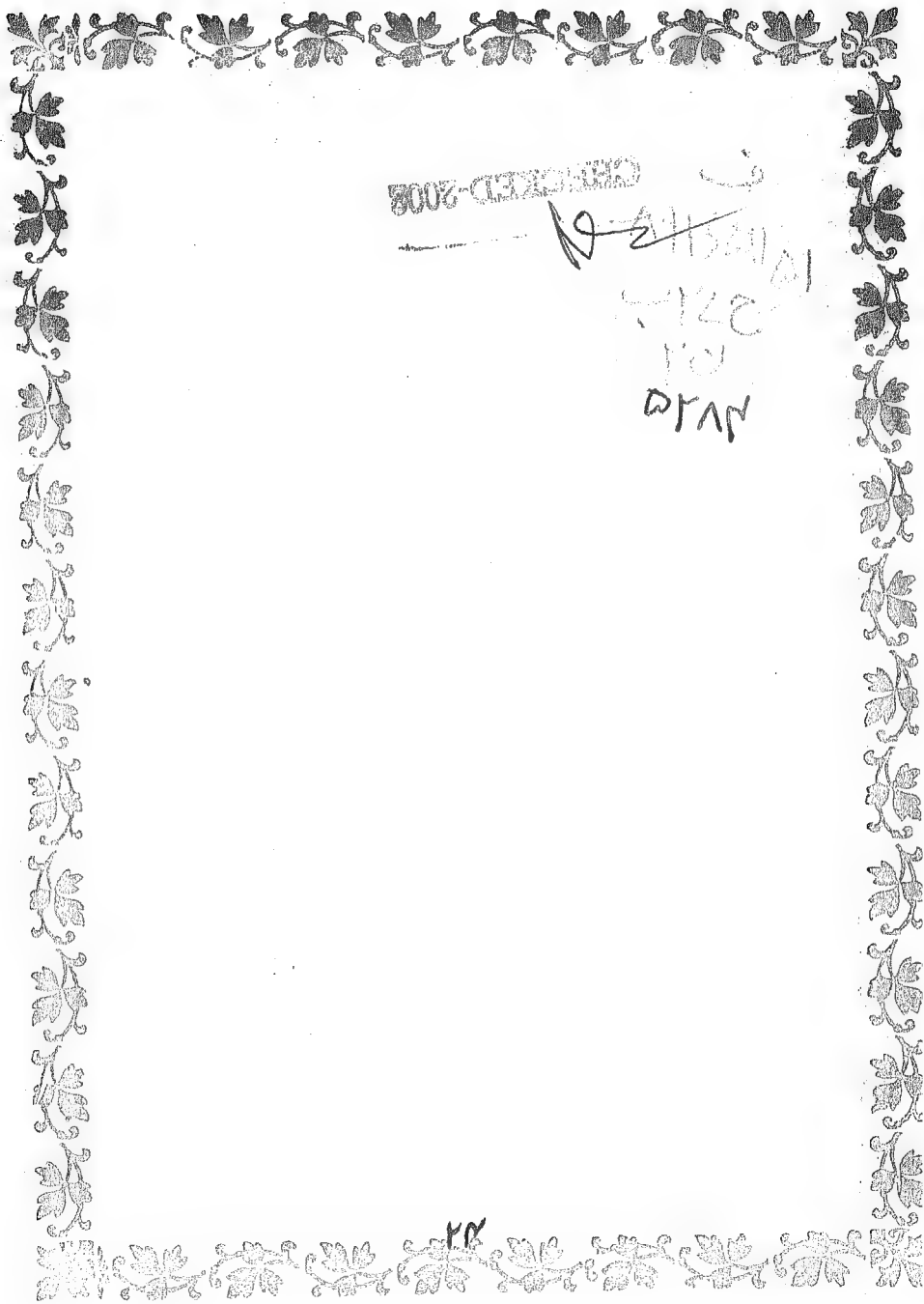
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ) بر مطلع مشہور

الٰہی چوں سپہرم سینہ بکشا
دلم طوطی کن و آئینہ بنما

الٰہی جان و دل وارستہ فرما
دلم بلبل کن و گلدستہ بنما

الٰہی مشرقِ خرشید الفت ساز جانم را
ز نورِ حسنِ بے پایاں فروزاں کن بیانم را
خداوندا نثارِ روئے جاناں ساز جانم را
نوائے جان و تن سوزی عطا فرما زبانم را

نیرِ رخشاں

عشوۂ رہ زنِ دیں شد منِ حیرانے را
کہ از و نیست بجا ہوش مسلمانے را
گر بگردی بہ بیابانِ مدینہ یابی
کردہ ہر ذرّہ بسر نیرِ رخشانے را
بنما جلوۂ زاں چہرۂ رشکِ مینو
تا کنی رو کشِ جنت دلِ ویرانے را
بر سرِ گورِ غریباں چو بیائی رُوزے
بینی افتادہ بہر گوشۂ ارمانے را

عـه دل پریروئے اگر بردہ ز من نیست عجب
اہرمن بردہ ز کف مہر سلیمانے را

اے نسیمِ سحری رشحۂ فیضے زاں کو
تا زنی آب تسلّی دل سوزانے را

جز دو زلفش کہ خوش آسودہ بقربِ عارض
کہ نشاں یافتہ آسودہ پریشانے را

گر خرامی بصفاہانِ خیالم بینی
رونما خواستہ ہر جلوۂ ایرانے را

طبعِ حسرت بروانی ست ازاں دُردانہ
گوہرے گشتہ سبب جوششِ عمّانے را

۱۴ صفر المظفر سنہ ۱۳۱۹ھ

عـه پسندیدہ جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی۔ ۲۹ جمادی الآخر سنہ ۱۳۱۹ھ

بر طرح مرزا صائب مرحوم

از لبِ شیریں ادائے گشتہ شیریں کامِ ما
بخت را نازم کہ شد آرام جانی رامِ ما

پرتوے تا یافتہ از جلوۂ ماہِ عرب
صبحِ صادق رشک ارد بر صفائے شامِ ما

گر بیا تر دامنی بر زہدِ خشکِ ما کند
ننگ دارد نام بد از ننگ ماؤ نامِ ما

طبلۂ عطار از بوئے خوشش باشد مشام
رشکِ گلشن بسترست از سروِ گل اندامِ ما

ع ص هر کہ دولت یافت شُست از لوحِ خاطر نامِ ما۔

از وفورِ انتظارِ آن قدر رعنا خوش خرام
حلقہائے چشم گشتہ حلقہائے دامِ ما
سالہا شد در بیابانِ طلب سرگشتہ ایم
آں غزالِ خوش ادا روزے نگشتہ رام ما
ز اتصالِ عارضِ پُر نور و زلفِ مشک فام
گشتہ ہم آغوش گویا صبحِ ما و شامِ ما
کے بود ما را ہوائے آبِ انگوری کہ ہست
لعلِ نوشش نقلِ ما و چشمِ مستش جامِ ما
ہمتِ ما سر نہی آرد بمال و زر فرود
دولتِ ما بس بود آں شوخ سیم اندامِ ما
رہروانِ شوق از ما سالہا آرند یاد
نقشہا انگیخت در راہِ محبت گامِ ما

گرچہ دوریم از حریمِ جانفزائے وصل لیک
خوش بیادِ دوست می آید بسر ایّامِ ما
از سرِ ما شد بروں حسرت ہوائے سیرِ باغ
زینتِ کاشانہ تا شد شوخِ گل اندامِ ما

۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۱۹ھ

بر طرحِ خواجہ حافظ شیرازیؒ

حیات تازہ خیال لبت تمنا را
نوید عیش بہار رخت تماشا را
نگاہ گرم نتابد عذارِ گلگونش
بخواب بینم اگر آن نگار رعنا را
بجان شوق زنی آتشے ز تابشِ حسن
بچشم مہر فزائی رواں تمنا را
ز تاب جلوہ کند تا نگاہ را مدہوش
بنور بادہ بر افروخت روئے زیبا را
بکشیم منت بخت بلند خود روزے
کہ در کشیم ببر آں بلند بالا را

شکستہ رنگ گلستاں بہار رخسارت

لب چو لعل تو در خوں نشاندہ صہبا را

فغاں کہ آں بت شنگول ہوش و مسست

بجلوۂ نہ نوازد حبیب شیدا را

ز شور پستۂ تو گشتہ عیش شیریں تلخ

ز تاب زلف تو تار ست روز لیلیٰ را

دم کلام چو تنگ نبات بکشائی

شکر بکام کنی طوطیٔ شکرخا را

دلم بساغر و مینا تہی کشد حسرت

کہ بردہ نرگس مستانۂ ز خود ما را

عہ۵ ایں شعر را خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی پسندیدہ ۱۲ ۔ (۱۲ رجب سنہ ۱۳۱۹ھ)

بر طرح میرزا صائب مرحوم

احاطہ کرد خط آں آفتاب تاباں را
گرفت خیلِ پری درمیاں سلیماں را

جمالِ روئے تو داغ ست ماہ تاباں را
بہار کوئے تو خارے بدل گلستاں را
ز چشم سرخوش ساقی اشارہ کافیست
دلم بہانہ جوید شکستِ پیماں را

زمینِ اشک عدن در کنار دامانم
ز فیضِ داغ گلستاں بہ گریباں را
فدائے زخمِ نگاہت ہزار مرہم باد
نثارِ دردِ تو سازم ہزار درماں را

بہجر کوئے تو روزم گلیم شب بر دوش
زتاب روئے تو روزے شب شبستاں را
زنور عارض تو رخنہا بظلمت کفر
بکفر زلف تو روے نیاز ایماں را
بیاد روئے تو یارب زدم بشوقے دوش
کہ دل زدست شد از فرط ذوق زنداں را
زجور ہجر تو جانم فگار و دل ریش ست
صبا بعجز رساں ایں پیام جاناں را
شفق بشوق لب لعل تو جگر خوں کرد
سحر بیاد رخت چاک زد گریباں را
جنوں بجوش و نماندہ است دامنے با من
سزد کہ چاک زنم دامن بیاباں را

سخن ز ظلمت و آبحیات کوتہ کن
میاں زلف سیاہش نگر زنخداں را
تبسم تو نسیم چمن سپے حسرت
نگاہ مہر چو موج حیات ارماں را

۹ رجمادی الآخر سنہ ۱۳۲۰ھ

بالبداہہ

بہ منشی امتیاز علی خاں عرشی

ناظم کتاب خانۂ ریاستِ رام پور

باستدعائے قدوم

حبیب منزل

ز قدوم خویش نازشے بدلِ با نیاز بخش
بہ حبیبِ بینوائے خود طرۂ امتیاز بخش

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ ہجری

بر غزل نظیری نیشاپوری

جذا عشق کہ ناکام بکام ست اینجا
جستنِ خواہشِ دل جملہ حرام ست اینجا
مستی و بیخبریہا ست ہمہ در رہِ شوق
بصلاح و ورع و عقل سلام ست اینجا

در رہِ عشق خردمند بماند حیراں
عقلِ کل سر بگریباں چہ مقام ست اینجا
وا آسفا مملکتِ عشق دیار نیست غریب
کہ شہِ غازی محمود غلام ست اینجا

نقشِ اوّل[ع]

اگر جز یاد تو دارم خیالے
خداوندِ جہاں بخشاد حالے
کہ از نظارہ اش کروبیاں را
بر آید از دروں آواز دردا

ع ایں اول شعرست کہ موزوں کردم

بر طرحِ طالبؔ آملی

ہوائے باغ بہجر تو سازگارم نیست
جدا از کوئے تو ذوقے بہ نوبہارم نیست
چو سرمہ گشتم و کوئے تو در نظر ندارم
براہِ عشق تو جاں دادم و قرارم نیست
دلم ز جوش بہار و کنارِ جو نکشود
کہ آں نگارِ گل اندام در کنارم نیست
ز فرطِ شوق ہمہ چشم و تماشا نیست
فتادہ ام بسرِ راہ و شہسوارم نیست

طالب آملی

ع مریضِ عشقم و جز داغ سازگارم نیست — علاجِ دردِ بجز نالہائے زارم نیست

خیال روئے نگارے مرا ز خود بردہ است
دماغِ بوئے گل و جلوۂ بہارم نیست
بذوقِ دردِ تو با چارہ گر نپردازم
بداغِ عشقِ تو پروائے غمگسارم نیست
بغیرِ زلفِ سیہ فام و عارضِ پر نور
نشاطِ لیلِ من و رونقِ نہارم نیست
بغیرِ چہرۂ گلگونِ شاہدِ شنگول
بہارِ باغِ من و جوشِ نو بہارم نیست
بپردہائے دل و چشمِ من نہاں حسرت
من و خدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

بر طرحِ شفائی اصفہانی

آمد بہار و جلوۂ بستانم آرزوست
ہم نالگیٔ بمرغِ غزلخوانم آرزوست

نے خوشدلی نہ جلوۂ بستانم آرزوست
بیتابیِ جنون و بیابانم آرزوست

بادِ چمن علاجِ تپِ دل نمی کند
عیسیٰ دمی زِ گوشۂ دامانم آرزوست

ماہِ دو ہفتہ ظلمتِ ہجراں نمی برد
عالم فروز شمعِ شبستانم آرزوست

دارم امیدِ صلح ازاں چشمِ جنگ جو
جمعیتے ز زلفِ پریشانم آرزوست

سودائے شوق بیخبر از حد و غایت ست
جاں برلب ست و جلوۂ جانانم آرزو ست

بہر نثارِ مقدمِ آں شاہِ دلبراں
عجز گدا و شوکتِ سلطانم آرزو ست

خواہم شرابِ تند ز ساقیِ مست ناز
سامانِ بیخودی فراوانم آرزو ست

پژمردہ خاطرم ز گل و لالہ شگفتہ
گلچہرۂ بہارِ گلستانم آرزو ست

طبعم ملول گشتہ ز ہنگامۂ جہاں
آسودگیِ گوشۂ زندانم آرزو ست

حسرت ز بوئے باغ دماغم نمی رسد
بوئے وفا ازاں گلِ خندانم آرزو ست

بر طرح امیر خسرو دہلوی

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست

لالہ ہمرنگ تو در دامن گلزار نیست
بوئے مشکین زلفِ تو در طبلۂ عطار نیست

شور وحشت شد ز سرہا نیست پائے در طلب
رسمِ جانبازی زپا آمد سرے بردار نیست

طبع نازک بے نیاز از قیدِ رسم افتادہ است
رشتۂ الفت چو دارم حاجت زنار نیست

از ہوائے مشک سا و سبزۂ دلکش چہ سود
چوں بچشمم جلوۂ آں آہوئے تاتار نیست

غنچہ را شکلِ دہن شد شیوۂ گفتار کو
سرو را قد سہی شد فتنۂ رفتار نیست

نیست دولت در جہاں جز وصلِ شوخِ سیمین
نقدِ عیشی در زماں جز دولتِ دیدار نیست

لطفِ[1] چشمِ مست تو در بادۂ گلرنگ کو
ذوقِ جامِ لعل تو در ساغرِ سرشار نیست

در بہاراں سیرِ گلشن غنچۂ دل وا نکرد
چوں بہارِ گلشنم آں غیرتِ گلزار نیست

نیست کارے با طبیبِ شہر رنجورِ ترا
گشتہ مسکیں مبتلائے دردِ دل بیمار نیست

---

[1] کیف۔

دیدۂ کز عشقِ جاناں می نبارد سیلِ اشک
در خورِ جناتِ عدن تحتہا الانہار نیست

از بُنِ ہر موے حسرت نالہا سر میزند
نغمہاے دلکشا در بندِ چوب و تار نیست

۲ر صفر سنہ ۱۳۲۰ ہجری

برطرح میر حسن دهلوی

عالمِ حسن از جہانے دیگرست
پیکرِ جاناں زجانے دیگرست
حرفِ واعظ دلفریب آمد بچشم
چشمِ فتاں رابیانے دیگرست
دوجہاں آنجا فدائے جلوہ
منزلِ جاناں جہانے دیگرست
بیخودیِ ما ز ذوقِ جلوہ
خلق را برما گمانے دیگرست

ہمہ ہرزماں از غیب جانے دیگرست۔

از بدخشان لعل و از عمان گہر
جوهرِ طبعم ز کانے دیگرست
شد تہی از جان جہان و عشق را
لب ترنم ریز جانے دیگرست
فتنۂ گردوں بجویش خاک بوس
این زمین را آسمانے دیگرست
از گلِ افشانِ تبسم۔ بر رخش
هر نگاهے بوستانے دیگرست
عشق را هردم تمنائے دگر
حسن محوِ ذوقِ شانے دیگرست
پرسشِ درمان دلِ ما خوش نکرد
درد را لطفِ نہانے دیگرست

بے ستوں خواند حدیثِ کوہکن
بے نشاناں را نشانے دیگرست

برلب خونِ شہیداں قصہاست
بے زباناں راز بانے دیگرست

نغمہائے طوطی و بلبل خوش ست
حسرت مارا فغانے دیگرست

۹ رذی الحجہ سنہ ۱۳۲۱ ہجری

بر طرحِ خواجہ حافظ شیرازیؒ

اے نسیم سحر آرام گہِ یار کجاست
منزلِ آں مہ عاشق کشِ عیار کجاست

روزِ من گشتہ سیہ جلوۂ دلدار کجاست
سینہ خوں گشتہ زغم مرہم دیدار کجاست

فصل گل رفت و دلم غنچۂ نشگفتہ ہنوز
آں بہارِ ارم و نازشِ گلزار کجاست

خار خارِ غم ہجراں بدلم خار شکست
اے نسیم سحری آں گلِ بیخار کجاست

عیشِ من تلخ شد از سختیِ ایام فراق
یارب آں لعلِ روان بخش شکربار کجاست

روزگارلیست دلم چہرۂ مقصود ندید
پیکِ فرخندہ پیٔ و مژدہ دیدار کجاست

سرو و شمشاد بگلشن قدِ رعنا دارد
تا رود دل زکفے شیوہ[1] رفتار کجاست

باد جاں بخش و چمن خرم و مہ نور فشاں
ساقیِ ماہ وش و ساغرِ سرشار کجاست

خلق را بسکہ گمانہاست بہشیاریِ خویش
جلوہ فرماؤ یکے پرس کہ ہشیار کجاست

از تپِ ہجر بجاں آمدہ مسکیں دلِ من
مایۂ صحت دل نرگسِ بیمار کجاست

---

[1] شیوۂ۔ (اصلاح برادر مکرم فرزل اللہ خاں صاحب)

بابوئے[عہ] مشک ندارد سروکارے سر ما
کاکل[ن] یار کجا نافۂ تاتار کجاست
سردیِ زہد نسازد بدل ما حسرت
مایۂ گرمئ دل خانۂ خمار کجاست

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ھ

ع سر آشفتہ ندارد سرسے با مشک تتار۔

عہ خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی مرحوم نے بوئے مشک اور گیسوئے یار کے واؤ کے اخفا پہ اعتراض فرمایا تھا۔ اصلاح کی گئی۔

ن گیسوئے۔

از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ

سرا یم گر ز بزمے داستانے
زبانم را کنی جادو بیانے

آغاز برشکال

ز فضلش ببارید بارانِ رحمت
بیاسود مخلوقِ رحمٰن ز زحمت

۱۲ رشعبان المعظم سنہ ۱۳۶۶ھ

برطرح مشہور

بیدلاں سینہ ز داغت چمنے ساختہ اند
شمعہا سوختہ و انجمنے ساختہ اند
ایں ہمہ پاکیِ گوھر نتواں یافت بخاک
مگر از شیرۂ جانت بدنے ساختہ اند
غنچۂ ولالہ و گل نرگس و سنبل داری
چشم بد دور ز رویت چمنے ساختہ اند
خاکسارانِ رہ او کہ خوش آسودہ بخاک
خانہا را زدہ آتش وطنے ساختہ اند
بے نیازانہ ز سیرِ گل و گلشن گزرند
بیدلانیکہ زگل پیرہنے ساختہ اند

منتِ رائحۂ نافہ و غنچہ نکشند
سرخوشانیکہ بہ بوئے دہنے ساختہ اند

جلوۂ کردی و در وہم ارم افتادند
خندۂ کردی و در وعدنے ساختہ اند

می تواں یافت ز شیرینیِ شعرت حسرت
کہ ترا مائلِ شیریں سخنے ساختہ اند[عہ]

۲۱ شوال ۱۳۱۹ھ

عہ توارد بہ عرفی شیرازی۔

بر طرح خواجہ حافظ شیرازی

"دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند"

شکر للہ کہ ز وصل تو براتم دادند
وز ستمہائے شب ہجر نجاتم دادند

تلخی ہجر ز کام دل و جانم بردند
ذوق وصل بت شیریں حرکاتم دارند

خندہ بر درج گہر کاسۂ چشمم دارد
بسکہ از دولت حسن تو زکاتم دادند

چشم سرمست بدل ساغر عشرت پیمود
وز مئی ناب لبش آب حیاتم دادند

زہرِ ناکامیِ عمرے چو بکامِ دل بود
بتِ شیریں لبے چوں شاخِ نباتم دادند
گر بشکرانہ دل و جاں بفشانیم رواست
کہ بتِ مہوش فرخندہ صفاتم دادند
دوش[عہ] حسرت بسرم آمدہ آں سروِ بلند
وحشؔ اللہ چہ عالی درجاتم دادند

۴ رمضان سنہ ۲۱ھ

عہ اخترم شعشعہ بر چرخ نظیری زدہ است
کس چہ داند کہ چہ عالی درجاتم دادند (نظیری)

به محبی مولانا ابو الکلام (آزاد)

واردِ گل مرغ کشمیر

محو نظارۂ گل مرغ نگارے دارم
کز خیالش به دلِ زار بہارے دارم
اے نسیمِ سحری گر به حضورش گزری
عرضه ده شوق که در جانِ فگارے دارم
ور بپرسد که مگر شوقِ پیامے دارد
سرفرود آر د زمین گوے که آرے دارم
"دور دستانرا به نعمت یاد کردن ہمت ست
ورنه ہر نخلے به پائے خویش افشاند ثمر"

اسیر آزاد:-
حبیب

۵ رمضان مبارک ۱۳۶۴ھ

اشعار در اشعار رسیدن دیوان

حمید الزمان خان صاحب

شاہجہانپوری الموسوم بہ ریحان حمید

منظر دیدۂ مشتاق در آوان سعید
رشکِ دامانِ چمن شد ز تو "ریحانِ حمید"

غالیہ سا شدہ از فیضِ قدومِ تو مشام
گوئیا بادِ بہار از طرفِ خلد وزید

ہمچو تو لالۂ خوشرنگ ز کہسار نخاست
مثلِ تو یک گل رعنا بہ گلستاں ندمید

صفحہا رو کشِ بستاں بجمالِ تحریر
نقطہا غیرتِ انجم ز ضیاءِ تسوید

سطرہا مثلِ جداول بمیانِ گلشن
از بیاضِ ورقت شانِ جوئے شیر پدید
روزیت باد بآفاق قبولِ خاطر
حافظِ صاحبِ دیوان بجہاں ربِّ حمید

ذی حجہ سنہ ۱۳۵۰ ہجری

مخمس بر غزل مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

دل من گدائے نوال محمدؐ
سرِ من فدائے جلال محمدؐ
ہمہ فیضیاب از کمال محمدؐ
جہاں روشن ست از جمال محمدؐ
دلم زندہ شد از وصال محمدؐ[۵]

خوشا صدق را منزلِ عزّ و جاہے
خوشا اہلِ حق را ز شیطاں پناہے
خوشا جلوۂ قدس را بارگاہے
خوشا منزل و مسجد و خانقاہے

۵؎ ترمیم ۔ ماہن ۔

که دروے بود قیل و قال محمدؐ

تعالی اللہ[1] تنویر روئے دلآرا

که پُر نور فرموده ارض و سما را

تجلّی ازو قلب اہل صفا را

خوشا چشم کو بنگرد مصطفا را

خوشا دل که دارد وصال محمدؐ

کسے را ز افکار[2] دنیا ملالے

کسے بسته دل را بخطے و خالے

کسے را گراں سر ز فکر محالے

بود در جہاں ہر کسے را خیالے

مرا از ہمہ خوش خیال محمدؐ

---

[1] زہے شانِ [2] آشوب۔ افکار کا نسخہ ہے۔ ع اوضاع۔

ز نور رخش فیض جو ماہِ کامل
بگرد سرش مہر گرداں چو سایل
بصبح ازل نور سیماش شامل
بوصف رخش والضحیٰ گشتہ نازل
چو واللیل شد وصف خال محمدؐ

ز خاک رہش فخر خاقان عالم
گدایان درگاہ شاہان عالم
سگ کوئے جاں بخش جانان عالم
بروئے زمیں گشتہ سلطان عالم
ھر آں کو بود پائمال محمدؐ

عہ ترمیم عکس۔

غلام درِ اوست حسرت گرامی

بود بالِ تاجِ شہاں ایں غلامی

بہ عز[1] و شرف شد بکونین نامی

بصدق و صفا گشتہ بیچارہ جامی

غلام غلامانِ آلِ محمدؐ

بشوقِ طلب در رہِ عشق پویاں

بگشتم بگردِ جہاں حسن جویاں

ہواللہ خواناں ہوالحسن گویاں

بآفاق دیدم ہمہ خوب رویاں

نمی یافتم جز ظلالِ محمدؐ

۶ر شوال سنہ ۱۳۶۱ ہجری

۱؎ بحبّ نبی۔

بر طرح غزل جناب اُستادِ معظّم

مولوی
عبد الغنی خانصاحب غنی

آں عارضِ تابانش مخفی بنقاب اندر
یا گشتہ مہِ کامل پنہاں بحجاب اندر

از پستۂ پرشورش شورے بکباب اندر
وز نرگسِ فتانش شورے بشراب اندر

با موئے ازاں گیسو داریم دو صد سودا
یک ذرہ نمی گنجد شوقم بحساب اندر

بیخود شدہ ام تا من زاں جلوۂ مستانہ
باللہ کہ نمی یابم کیفے بشراب اندر

بنازو نامه از املاء نامش

خوش افتاده ردیف غزل.......

یمن خونیں جگر شد از عقیقش

بدخشاں خوں بدل از لعل.......

دہد تلخی بہ شیریں شور حسنش

بود شیرینیم از لعل.......

جلیس حجلۂ دل قصۂ او

انیس خلوت جاں نقل.......

زلیخا را بود غیرت ز حسنش

بود رشک زبیدہ شکل.......

مرا بیتاب دارد شوق دیدار

بہ بینم کاش روزے شکل.......

از رخ چو کشد برقع حسرت چه رود بر ما
شوخیکه بجانم زد آتش بنقاب اندر

۶ صفر المظفر سنه ۱۳۱۹ ہجری

خدا سازد نصیبم وصل......
پریشاں خاطرم از فصل........
ندارم احتیاج جام بلور
کہ سرمستم ز سیمیں رطل.......
مرا ہردم فزاید جاں بلطفے
زہے احسان و جود و بذل.......
فدائے ساعتے گردم کہ قاصد
بمن آرد نوید وصل.......

عـہ حسب الفرمائش بعرصۂ کم از دو ساعت گفتہ شد۔

شدم مجروح تیغ ترک چشمش
فگارم کردہ سوفار جبیبم
بدل جویائے وصل جانفزایش
بجاں مشتاق دیدار جبیبم
قرار از دل ببردہ طرۂ او
دلم از دست دستار جبیبم
مرا بیتاب دارد دل بسینہ
بیان شوخ و طرّار جبیبم
بروز و شب بصبح و شام ہستم
بجان و دل طلبگار جبیبم
ازاں نوروزیم باشد طرب بخش
کہ جاں بخشد ز اخبار جبیبم

از پرتو حسن محجوبست کا افتاده

سرّے بحجاب اندر رمزے بکتاب اندر

ساقی نبود مارا میلے ببوے صهبا

خوش نشّهٔ مردافگن باشد بشباب اندر

از پردهٔ دل خیزد صد نغمهٔ داؤدی

حاشا که بود مارا ذوقے برباب اندر

سرگشتهٔ شوقت را خارے زگلے خوشتر

لب تشنهٔ راہت را راحت بسراب اندر

از لطفِ تو آبادی خواہد دلِ ویرانم

ای جلوهٔ معموری از تو بخراب اندر

صد دفترِ حکمت خوان از جنبشِ ہر موجے

یک عالمِ عبرت بین پنہان بحباب اندر

بہر دم یادِ وردِ حسرت
ہمیشہ ذکرِ حسرت شغل......
شود کشتِ امل سیراب روزے
کہ حسرت برخورد از وصل......

بوقت شب - ۲۱ صفر سنہ ۱۳۱۹ھ

بشنو[له] صدر از جانب او

شدم گرفتار جبیم
زخود رفتم ز رفتار جبیم
سرور دل ز دیدار جبیم
کند جاں تازہ گفتار جبیم
مرا مدہوش کرد آں چشم مخمور
شدم سرمست و سرشار جبیم
دلم شیدائے نثر دلفریبش
سرم سرخوش ز اشعار جبیم

له بمناسبت واقعہ اینجا نوشتہ شد۔

برآورد آں نگار شیرۂ جاں

زہے پاکیزہ گوہر نسل.......

مزین دودماں ننگش از وے

کہ زیں آب نوشتند اصل.......

ہنر را فخر از ذات گرامیش

خرد حیرت زدہ از فضل.......

بدلداری برو ختم ست شاہی

بمحبوبی مسلّم فضل.......

مساوی کفّۂ میزان حسنش

دو شاہد بس گواہِ عدل.......

سرور جان بیفزاید ز ہزلش

ز جدّ دیگراں بہ ہزل.......

سر و هوش و روان و تن فدایش
قرار و صبر ایثار جبیبم
بود مرغوب انداز لطیفش
بود محبوب اطوار جبیبم
دلم لرزد چو می آید خیالش
ندارم تاب پیکار جبیبم
گل غیرم بود از خار بدتر
ز گل خوشتر بود خار جبیبم
بمعشوقی کنم گر جلوه وقتے
کنم صد عشوه درکار جبیبم
بقد سرو و بمو سنبل بعارض گل
همانا ئے کہ گلزار جبیبم

بنفشہ زلف عنبر جعد گل رو
بدیں سامان عطار حبیبم
مفرّح سیب و رمّانین دارم
شگفتہ باغ اثمار حبیبم
بفن دلبری یکتائے عہدم
زفرط حسن دلدار حبیبم
بلطفِ حسن می بخشم نشاطش
بحسن لطف غمخوار حبیبم
متاع حسن کالائے دو کانم
محبت جنس بازار حبیبم
خیالم رونق بزم خیالش
جمالم زیب دربار حبیبم

سرم سرخوش ز جام عیش باشد
رسم چوں من بسرکار حبیبم
بدل باشم طلبگار رضایش
بجاں باشم پرستار حبیبم

۲۲ صفر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

کتابخانہ رامپور یک مجموعۂ بے لطف اشعار اردو

شائع کرد مسمی بہ "اوراق گل" بر آں ایں شعر نوشتہ شد

کسے عنادل را فروزد شمع دل
چوں ندارد رنگ و بو "اوراق گل"

نعت

ای بادِ طیبہ رحمتے بر خستہ حالیم
بر آستانِ پاک رساں زار نالیم
اول زمن درود بخواں پیش آنجناب
زاں بعد گوئے قصۂ آشفتہ حالیم
کاے مامنِ شکستہ دلاں وی پناہِ خلق
من بندۂ کمینۂ درگاہ عالیم
ای فخرِ اوّلین و مباہات آخریں
از نسبت تو مژدۂ فرخندہ فالیم
اے آرزوئے عرش تراب نعال تو
دستم بگیر دامن دہ از پائمالیم

اے ابر جود فیض بکشت فسردہ ام
اے گنج فیض جود بداماں خالیم
اے رحمتِ خدا اے بحق جہانیاں
رحمے خدا ئرا بحق زار حالیم
آمد ز پا نہالِ من از صرصرِ گناہ
پامال کردہ نفس چو نقشِ نہالیم
رویم سیاہ شد ز سیہ کاریِ دوام
مویم سپید گشت و نشد تیرہ بالیم
برباد رفت عمر دریں خاکدان و حیف
از سر نشد ہوائے پریشاں خیالیم
اسلاف شیر مرد و غا بودہ اند و من
پامال پیر گربہ چوں شیر قالیم

شوقِ تو در سرم کہ بود خاکِ راہِ تو
موجے ز کوثرست بجام سفالیم

مِہرِ صحابۂ تو بود مُہرِ دینِ من
توقیع جنت ست تولّائے آلیم

روح مرا سرور ز اُنسِ اَنس بود
آبی بَرد ز خاکِ نعالِ بلالیم

حسرت اگرچہ رحمتِ رخصیم باصلِ خویش
از داغ بندگیٔ نبی جنس عالیم

یارب ز فضل خویش و طفیل نبی بدار
بر شرعِ مستقیم چو قطب شمالیم

۲۱ صفر ۱۳۱۹ہجری

بر طرح خواجہ آصفی

زجامِ لعلِ تو مستم شراب را چہ کنم
خوشم ز سوزِ دلِ خود کباب را چہ کنم

ز چشمِ مست تو مستم شراب را چہ کنم
ز تابِ حسنِ تو سوزم کباب را چہ کنم

حدیثِ دوست بگوشم رسد ز پردۂ دل
حکایتِ نَی و صوتِ رباب را چہ کنم

نکردہ جلوہ بت شوخ و باختم دل و دیں
اگر برافگند از رخ نقاب را چہ کنم

شمیمِ لطف بجانم وزد ز منزلِ دوست
ہوائے گلشن و بوئے گلاب را چہ کنم

توانم اینکہ لب خود بمی بینالایم
سیاہ مستیِ عہد شباب را چہ کنم
یقین بوعدۂ و دانم کہ ہست فردائے
ہجوم آرزوئے بیحساب را چہ کنم
من و خیال رخے بینیازم از گلشن
من و جمال مہے آفتاب را چہ کنم
تواں بسینہ نہاں داشت راز و حسرت
لب فسردۂ و چشم پُر آب را چہ کنم

۱۶ر شعبان ۱۳۱۹ھ

علامہ شبلی از حیدر آباد۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۱ عیسوی

"خدا کی قسم غزل کی غزل مرصع اور یہ شعر تو دل میں رکھ لینے کا ہے۔" ع
"اگر بر افگند از رخ نقاب را چہ کنم"

(از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ)

رویت بسیر باغ ندیدم گریستم
دیوانہ وار آہ کشیدم گریستم

وردا عنان ضبط و شکیبم شدہ ز دست
نامت ز ہر کسیکہ شنیدم گریستم

جوش نیاز جانب کوے رقیب برد
صد جا بنقش پات خمیدم گریستم

ہجرِ تو تلخ ساختہ عیشِ مدام ما
گر بادہ بے رخِ تو چشیدم گریستم

واثق چہ شد مرا کہ بیک جلوۂ نگار
طومار عقل و ورع دریدم گریستم

عہ

در حریم وصل جانانم وطن خواہد شدن
شمع بزم اُنس آں ماہ ختن خواہد شدن

از فسون عشق من روزے بچشم شوخ یار
نشۂ صہبائے اُلفت عہ جزن خواہد شدن

رخت زیں زے در حریم وصل او خواہم کشاد
شام غربت زکش صبح وطن خواہد شدن

تازہ جانے وصل جانانم بہ تن خواہد دمید
قصّہائے محنت ہجراں کہن خواہد شدن

عہ "گل گریباں"

"تاکہ از نوش لبت شیریں سخن خواہد شدن۔
"تاکرا جیب گلت رشک چمن خواہد شدن "

دل کہ ویران و خراب تر کتاز حسرت ست
از ہجوم آرزوہا انجمن خواہد شدن

از شمیم جانفزا آسودہ خواہد شد مشام
زاں گل رعنا کنار من چمن خواہد شدن

برق جنبش خرمن صبرم بخواہد پاک سوخت
عشوہ ہایش آفت تمکین من خواہد شدن

جیب و داماں را کند لبریز گلچین نگاہ
زیب بستر شاہد گل پیرہن خواہد شدن

چوں نخواہد داشت تاب بوسہائے بیدریغ
آں لب میگوں برنگ یاسمن خواہد شدن

خندۂ جاں بخش خاطر را ببخشد انبساط
باعث تفریح دل سیب ذقن خواہد شدن

خود نما وقتیکہ خواہد گشت حسرت حسنِ دوست
مرد افگن جلوہ پرتو فگن خواہد شدن

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

لا ادری

با روغن گاؤ اندریں روز خنک
نیکو باشد ہریسہ و نان تنک

(از بیاض ۱۳۰۳ھ)

چناں از آتش الفت شدم صافی ز آلایش
کہ یکسر سوختہ وہم و تخیل در دماغ من
ز بس در حسرت چشمے ہمہ عمرم بسر آمد
نمی روید گلے جز نرگسِ شہلا بباغ من
من آں رندے آشامم کہ با صد آرزومندی
بریزد بادہ پر زور جم اندر ایاغ من

ع بنید از دہی جمشید می

برطرحِ آزردہ

شبے مستانہ گر آید مرا جانانہ در پہلو
ز فرطِ وجد خوش رقصد دلِ دیوانہ در پہلو
ز تاراج الم قصرِ طرب در دا ز پا آمد
دلِ افسردہ در پہلو کہ صد ویرانہ در پہلو
کنم تا دیدِ وا . ماندہ ز دل خاکستر و دودے
دمے چوں برق کردہ گرم جا جانانہ در پہلو
شب یلدائے ہجراں پارہ از زلف لیلی ہست
ز قیس افسانہ در پہلو دلِ دیوانہ در پہلو

ع صراحی در بغل مینا بکف پیمانہ در پہلو

مرا از عالم شمع شبستانم دہد یادے
چو می بینم فتادہ شمع را پروانہ در پہلو

ربودے فیضہا از کیف چشم ساغر صہبا
مرا وقتیکہ بود آں نرگس مستانہ در پہلو

زلب ہر عضو را برخاست شورِ آفرین و زہ
بآئینے نشاندی ناوکِ ترکانہ در پہلو

سر و سودائے خالِ او حریم و کعبہ خوش دارم
دل و نقشِ جمال او بت و بتخانہ در پہلو

دماغِ ساغر و مینا کجا حسرت کہ من دارم
زیاد چشم میگونش می و میخانہ در پہلو

۱۴ر جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ

برطرح خواجہ حافظ شیرازیؒ

"چراغ روئے ترا گشتہ شمع پروانہ"

بدورِ چشمِ تو مست و خراب میخانہ
بذوقِ لعلِ تو سرگرم دورِ پیمانہ

نثارِ صبحِ بناگوش گوہر پروین
فروغِ شمعِ ترا شب چراغ پروانہ

نگاہِ مہر بجام ز نرگسِ مخمور
چناں کہ جرعہ بمستے دہی ز پیمانہ

بہ پیشِ ماہِ تو پروین چو قصۂ پارین
بہ پیشِ زلفِ سیاہِ تو شب چو افسانہ

نثار مقدم جاں بخش باد نقدِ رواں
کہ می رسد بصد اندازِ ناز جانانہ
نگاہِ شوخ بچشمِ سیہ بداں ماند
کہ مستِ ناز خرامد سبئے بہ بتخانہ
زِ لطفِ پاکیٔ گوہر بجاں صفا بخشد
ہزار گوہر جانم فدائے دُردانہ
خوشا دمیکہ بیائی تو مستِ عشوہ و من
زفرطِ وجد بگردم بگرد مستانہ

عہ پسندیدہ جناب خواجہ عزیزالدین صاحب عزیزؔ لکھنوی۔ ۲۹ رجادی الاول سنہ ۱۳۱۹ھ

نوٹ:۔ جلسۂ دعوت در رخصت جناب مولوی عبدالغنی خاں صاحب در ہال کوٹھی برادر مکرم محمد مزمل اللہ خانصاحب رئیس بھیکن پور خواندہ شد۔

چو آشنا نگہے کرد یار بر حالم
زفرطِ ذوق بگشتم ز خویش بیگانہ
دلم ز صحبتِ گیسوئے پرفتن ہشیار
زفیضِ چشمِ تو حسرت شُد است دیوانہ

۲۵ صفر ۱۳۱۹ ہجری

نعت

دلم سرمست و شیدائے مدینہ
سرم سرشار سودائے مدینہ
بکیشِ پاکبازانِ محبّت
بہ از خلد ست صحرائے مدینہ
ز فرطِ شوق از بہرِ نبی شد
ہمہ آغوش دریائے مدینہ
صفائے چشم بخشد خاکِ راہش
جلائے دل تجلّائے مدینہ
شرف بر عرشِ اعظم خاکِ اورا
گرامی شانِ والائے مدینہ

پنہ از فتنہ یابم گر بیایم

تہِ دامانِ صحرائے مدینہ

بود مثلِ کریمان چشم بر راہ

پئے اضیاف درہائے مدینہ

بسازم خاکِ پاکش سرمۂ چشم

رسم چوں من بصحرائے مدینہ

غلامانِ ترا حسرت غلامے

بحالش رحم مولائے مدینہ

۱۹ر جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

نعت

دلم جوید تجلّائے مدینہ
سرم خواہد تماشائے مدینہ
ز نورِ حق جہانرا کرد معمور
زہے فیضِ تجلّائے مدینہ
بشانِ خود بنازم گر بیفتم
بزیرِ پائے سگہائے مدینہ
خوشا وقتے کہ جانم را نوازد
نسیم راحت افزائے مدینہ
"چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"
نباشد خلد ہمتائے مدینہ

شود تصویرِ جنت پردۂ چشم
چو بیند حسنِ زیبائے مدینہ
ملائک عزم او از آسماں کرد
زہے سرکارِ والائے مدینہ
مرا اے کاشکے حسرت بخواند
غلامِ خویش مولائے مدینہ

ع۵ زہے دولت چو حسرت را بخواند

تاریخ رونق افروزی

اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر آصف سابع

مدّ اللہ ملکہ و سلطنتہ در حبیب منزل علی گڑھ

بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۴ھ

روز یک شنبہ وقت سہ پہر

خوشا وقت مسعود و خرم زمانہ
مکرم شدم از قدومِ شہانہ
شہِ دادگر میر عثمان علی خاں
زجودش بدامانِ عالم خزانہ

زمین بوسِ اجلال جاہ و مراتب
بہ دربار اقبال را آشیانہ
شرف یافتہ منزلم از نزولش
بہ دیں فخر گشتم بہ عالم فسانہ
نوشتم سنِ ایں مباہات حسرت
مبارک قدوم سعادت نشانہ

بدیں

---

۵۴ ۱۳ ھ

طالب رضاک

"آپ کی طبع نازک جسکو گلاب کے پھول سے تشبیہ دینا نہایت موزوں ہے۔"

اے کہ از غایتِ لطافتِ طبع
سحرِ نو بہار را مانی
از وفورِ لطافتِ جسمت
می تواں گفت پیکرِ جانی
چوں تبسّم کنی شکر ریزی
چوں تکلم کنی گل افشانی
حُسن را از تو گرمیٔ بازار
داغ را چہرۂ فروغانی

ذوق را لذتِ طرب بخشی
بزم جاں را چراغِ رخشانی
باغِ امید را گلِ رنگیں
حاصلِ عقل از تو حیرانی
درد را جلوۂ قبول از تو
شوق را مایۂ فراوانی
نسبتِ طبعِ من بگل کردی
من فدائے چنیں ثناخوانی
با چنیں طبعِ نازک و رنگیں
دیر گہ کام درجہاں رانی
از بہارِ مراد گل چینی
سرخوشِ بادۂ طرب مانی

قطعہ

خامہ چوں در نہان خود گیری
شیخ شیراز را بوجد آری
بذلہائے شگرف بر سنجی
نکتہائے بدیع بنگاری

عید قرباں سنہ ۱۳۱۸ ہجری

جانِ محبوبی و جانانِ حبیب[عـ]
آنِ دلداری و شانِ دلبری

با چنیں قدِّ بلند و خوش خرام
سرو کے دارد مجالِ ہمسری

بر دہانِ بذلہ سنج و پستہ لب
غنچہ را ہرگز نزیبد برتری

دل فدائے شیوۂ جاں پرورت
جاں نثارِ عشوہائے دلبری

عـہ مطلع اور مقطع اضافہ میں ہے دونوں کو ایک کر کے درست کر لیا جائے۔

(اضافہ بتاریخ غرۂ صفر ۱۳۱۹ھ)

اے درخشاں از جبینت برتری
وے ہویدا از لبت جاں پروری
عشق را نازم کہ زد کاہِ ضعیف
کوہ کندن را شمارد سرسری
چشمِ حسرت را کجا تابِ نگاہ
اے جمالت حیرتِ حور و پری

حسب الفرمائش

ربودہ ہوش و قرارم غزالِ رعنائے
نگار مست خرامے بلند بالائے
بشیوہ ہائے فریبندہ آفتِ عقلم
بلائے صبر و قرارم بشکل زیبائے
برائے فتنہ بود چشم پُر فنش ما من
برائے بذلہ لبِ لعل اوست ماوائے
سماع را سخن جاں نواز او عیدے
نگاہ را رخِ گلگونِ او تماشائے
گہے بچین جبیں برقِ خرمنِ عیشم
گہے بخندہ جاں بخش راحت افزائے

گہے نمودہ ہلاکم بشیوۂ تمکیں
گہے فزودہ روانم بلطفِ ایمائے
گہے نواختہ جانم برمزِ پنہانی
گہے ربودہ قرارم بہ ناز پیدائے
ز فرّ تابشِ اجلال روکشِ خورشید
ز تابِ جلوۂ اقبال ماہ سیمائے
ز رازِ فلسفہ آگاہ مثلِ فارابی
بہ بزمِ فضل بود بوعلیؔ سینائے
ربودہ شوکتِ شاہی شکوہِ اشعارش
شکستہ پایۂ عالی بطبعِ والائے
بلطفِ خاص مرا گشتہ مدح خوان حسرتؔ
اداشناس غزلؔ ادیبِ دانائے

۲۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۹ھ

برطرح آصفی

شبستانِ مرا شمعے ازاں رخسار بایستے
فروغِ صبحِ من را دولتِ بیدار بایستے

نشاطِ خاطرم را بادۂ گلگوں نمی بخشد
دراں کیفے ز عکسِ دیدۂ خمار بایستے

مداواے[عہ] مریضِ عشق قانونے دگر خواہد
طبیبِ دردِ دل آں نرگسِ بیمار بایستے

بہارِ گل بہ گلچیں و عنادل باد ارزانی
مرا از عارضِ گلفامِ او گلزار بایستے

عہ خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی ازیں شعر خیلے مسرور شد ۱۲

بجُوئے[عہ] سرو پا در گل چمن بر خویش می بالد
بچشم جلوۂ آں سروِ خوش رفتار بایستے

بآغوشِ مرادم جلوۂ آں سیمتن بودے
بدامانِ نگاہم دولتِ دیدار بایستے

مبارک جلوہائے بادۂ گلگوں بہی خواراں
مرا از چشم مستش ساغرِ سرشار بایستے

سرِ آزادگاں بر پائے دوں طبعاں بود حیف است
اگر خاکِ رہِ جاناں نشد بردار بایستے

عہ علامہ شبلی مرحوم نے اس شعر کے مصرعۂ ثانی پر یہ اعتراض فرمایا تھا کہ "بہ پہلویم روان" میں تصریح زیادہ ہے۔ لہذا تبدیل کیا گیا۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں واوٌ عطف کے اظہار پر کلام فرمایا اس لیے بدل دیا گیا۔ بعد کو خواجہ حافظ کے مطلع کے پہلے مصرعہ میں واوٌ عاطفہ کا اظہار پایا گیا ؏

خوش آمد گل وزاں خوشتر نباشد ۱۲

تمنائے دلم حسرت زحد و حصر بیرون است
تکلف بر طرف لطفش ہمیں بسیار بایستے

۱۵ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۹ ہجری
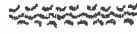
بر طرح اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

در سالگرہ

پردۂ ماہ رخت زلف پریشاں تا کے
در تہ ابر نہاں مہر درخشاں تا کے
اے صبا نفحۂ اُنسے ز دیار طیبہ
وحشت آباد بود این دل ویراں تا کے[ع]
یارب از قافلۂ رفتہ نشانے بنما
چوں جرس گرم فغاں این دل سوزاں تا کے

ع اول یہ مصرعہ موزوں ہوا۔

پشتِ پا بر سر و ساماں زن و فارغ برخیز
دردِ سر تا بجا قصۂ ساماں تا کے

نعرۂ ہو زن و در سینہ فگن شورِ نشور
سرخوشِ خواب بود شیرِ نیستاں تا کے

خیز و از خونِ جگر تشنہ لبا نرا بنواز
ماتمِ قیس کند ریگِ بیاباں تا کے

کاش از سینۂ مردے شررے باز جہد
دیو پامال کند خونِ شہیداں تا کے

دلِ پاکت صدفِ گوہرِ عرفاں آمد
غرقِ بحرِ ہوسِ قطرۂ نیساں تا کے

پردہ از رخ فگن و عرصۂ محشر افروز
لاف از نور زند نیّرِ تاباں تا کے

در رہش خستہ دلاں قافلہ سالار انند

منزلِ دردطلب در پئے درماں تا کے

جوہرِ خود بنما گوہرِ خود را دریاب

خوں خوری در طلبِ لعلِ بدخشاں تا کے

درے از فیضِ ازل بر رخش از فضل کشا

رو بدیوار بود حسرتِ حیراں تا کے

۲۹ جمادی الآخر سنہ ۱۳۴۸ ہجری

مولانا ابوالکلام آزاد

وقتیکہ مقیم گل مرغ کشمیر بود در خطے نوشتہ

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم
بُعد منزل نبود در سفر روحانی

من برائے جواب بنصوبہ
وقتیکہ بہم چائے نوشیم نوشتم
شکر للہ کہ بروئے تو قدح می نوشیم
جلوۂ قرب نمودہ سفر جسمانی

شعرِ ہذا در اثنائے سفر حبیب گنج

بعد وداع حیدرآباد در کالسکۂ بخار

حسبِ حال

شعر وجہ ترکِ تعلق حیدرآباد

در خاطر گذشت

شاہبازِ ہمتم ربطے بدستِ شاہ داشت
خوش نکردہ بندِ دستِ دیگراں پرواز کرد

۱۳ ۱۱/۸ م ۱۳ ۴/۱۰

حافظ جلیل حسن صاحب جلیلؔ

فصاحت جنگ بہادر مانکپوری

(از حیدرآباد در جواب ایں شعر نوشتہ)

شاہبازِ اوجِ ہمت حسرتِ عالی نژاد
صید کردہ مرغ جانم از دکن پرواز کرد

ایضاً

جلوۂ حسرت اگر بزمِ دکن خالی کرد
جائے غم نیست کہ دل نیست زحسرت خالی

نوٹ:- رسم جاری بود کہ بہ ماہ مبارک رمضان شبِ ختم کلام مجید در تراویح شامل می شدم بعد ترک تعلق آنجا چوں حاضر نبودم حافظ جلیل ایں شعر گفتہ۔

بداہتہ بڈاکٹر عبدالستار صدیقی

پروفیسر الہ آباد کالج

باستدعائے قدوم حبیب گنج

دیدہ و دل در تمنائے لقا

محو یادت روز و شب صبح و مسا

قطعات تاریخ

تاریخ عود الحاج محمد عبید الرحمن خاں

الوالد العزیز

من سفر الحج والزیارۃ - یوم السبت خامس الصفر المظفر

سنہ ۱۳۵۱ ھ

مجد حج لہ عاجلٌ

ادخلی جنتی أجلٌ

ارخ الحسرۃ المرجع

سالماً غانماً واصلٌ

۱۳۵۱ ھ

تاریخ شہادت برادرم محمد سمیع اللہ خاں

بلونہ کہ در اثنائے راہ بوقت مراجعت از سر اکولی
قریب موضع مذکور از بندقہ تفنگ ظالمے مجروح شدہ

بعد شہر ۱۵ روز شب جمعہ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ

مقام علی گڑھ رحلت کرد۔ غفرلہ

آہ۔ اخوی عزیز مرد زیرک و ذکی
بود دیندار و سعید غیر شبہ و ریب
حیف ہنگام سحر براہ ظالمے شقی
کرد مجروح ببندقش بعالم شیب

ہیژدہ روز کشید رنجہا برضا

در شب جمعہ سپرد جاں بساتر عیب

ایں خبر ہر کہ شنید اشک ریخت ز چشم

خاک کردہ بسر و درید دامن و جیب

حسرت خستۂ و زار جست سال رحیل

"ہائے مظلوم شہید" گفت ہاتف غیب

۵۱ ۱۳ ھ

تاریخ آغاز بنائے

حبیب منزل واقع میرس روڈ علی گڑھ

شکر لِلّٰہ کہ ایں بنائے بلند
گشتہ آغاز از نوال اعم
کرد حسرت سوال سال بنا
گفت ہاتف بجز فضل اتم
۱۳۵۱ھ

دیگر اختتام

خوشا کاشانۂ زیبا کہ اینجا
ہمہ گل روید و خارے نباشد

زہے ایوانِ جاں پرور کہ در وے
"کسے را با کسے کارے نباشد"

بتاریخش دُرے سفتہ است حسرتؔ
گرامی تر گہر آرے نباشد

اذی را بے سرو پا ساز و خوش خواں
"بہشت آنجا کہ آزارے نباشد"

۱۳۶۳
۱۱
______
۱۳۵۲ھ

تاریخ عقد

برخوردار محمد مسعود الرحمٰن خاں

عرف

پیارے میاں سلمہ اللہ تعالیٰ

مسعود عزیز کتخدا گشت
مسرور شدہ دلِ عزیزاں
شاداں دلِ من ز سال پرسید
با فضل عظیم گفت رضواں

۶ ۱۹ ۳۳

تاریخ اوّل روزہ

نورِ چشم ریاض الرحمن خاں

عرف

دلارے میاں سلمہ اللہ تعالے

نورِ نظرم ریاض رحمن
از صوم نخست گشت شاداں
تاریخ بہارِ روزہ اش را
از شام ریاض یافت رضواں
۵۲ ۱۳ ھ

۶ شوال سنہ ۱۳۵۲ھ مقام دہلی

تاریخ مراجعت راقم از سفر حج و زیارت

آمد ز حرم حبیبِ رحمٰن
گل چیدہ ز فیض[1] دستہ دستہ
پیوستہ بہ بزم قُدس وحدت
پیوند ز ما سوا گسستہ
در دیدہ ز خاکِ طیبہ نورے
نقشِ کرمش بجاں نشستہ
تاریخ مراجعت خلیل[2]
گفتا چہ مبارک و خجستہ

۱۳۴۵ھ

---

[1] فضل۔ [2] جناب شاہ سید ابراہیم صاحب خلیلؔ برکتہ اللہی مارہروی۔
مادۂ تاریخ از شاہ صاحب موصوف کہ بفرمائش خاکسار بداہتہً فرمودند ۱۲۔

تاریخ ماخوذی کاظم علی باغ

شاگرد مرزا داغ دھلوی

بہ علت سکۂ قلب قرطاس مقام حیدرآباد
کہ آخر بری شد

دوش بدیدم حزیں استادے
اسم چو جستم بگفتا "داغم"
"حزن چرا" گفت "بشنو با سال
سکۂ خزاں زد بقلب باغم"
۱۹۳۶ء

۲۰ رجون ۱۹۳۶ء

تاریخ افتتاح سلور جوبلی واٹر ورکس رائچور

از

دست مبارک

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ

شدہ رائچور از قدوم شہی
گرامی میانِ بلادِ جہاں
شہِ آصفِ سابعِ جم حشم
بماند بہ فرِ شہی جاوداں

پئے تشنگاں دستِ جودش کشود
بهر خانه جو از کرشنا رواں
چو تاریخ ایں فیضِ حسرت بخواست
بگفته چنیں هاتفِ نکته داں
سنش گر بخواهی که گیری بیاد
"زهے چشمهٔ فیضِ عثماں" بخواں

۱۹۲۱ء
۱۵
۱۹۳۶ء

سہ شنبہ ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء - حبیب منزل

تاریخ حج

مولوی سید سلیمان اشرف صاحب میر شعبۂ عربی
(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مخدوم زمن میر شریف و اخف
از حج شدہ ممتاز بہ تشریف شرف
ہم گشتہ مشرف بہ حضور طیبہ
کش خلد بیا کی نتواں بود طرف
حسرت چو بیفتاد بفکر تاریخ
آہستہ بفرمود سروش اعرف
بگذر ز سر و ہم ز زبان حج
دریاب از شرف سلیمان اشرف

ھ ۱۲ ۵۲

۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۵ھ ۱۲۵ + ۱۲۳۰ھ

تاریخ رحلت

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب غفرلہ

سلیمان اشرف سر اتقیا
بہ علم و عمل والہِ دین اشرف
چو نفسش شنید آیۂ ارجعی را
بہ جنت شد از قربتِ حق مشرف
سنش با دل پاک حسرت نوشتہ
بہ جناتِ عدنِ سلیمان اشرف

۱۳۵۷
۱
۱۳۵۸ھ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ

تاریخ ترقی گریڈ مولوی

بدر الدین علوی

(استاد عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

بدرِ دیں بدرِ آسمانِ علوم
ارتقایش چہ منزلے افزود
ہاتفے سال از سرِ بہجت
"تابش بدر شدہ افزوں" فرمود

۱۳۶۲
۲
۱۳۶۴ھ

لاادری

مفلسانیم آمده در کوئے تو

شیئاً للہ از جمالِ روئے تو

دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما

آفریں بر دست و بر بازوئے تو

تاریخ وفات

نواب اختر یار جنگ بہادر

مولوی لطیف احمد صاحب اختر مینائی

معتمد امور مذہبی سرکار عالی

دریغا کہ آں مست مینائے الفت
لطیف احمد اختر آل مینا
بہ پیشانیش لمعۂ مہر تاباں
بحسن وفا بود در دھر یکتا
مجھے مرا بود یکسر مودت
مجسم فتوت مروت سراپا

زدردِ وفاتِ انیسِ حیاتش

زدارالمحن شد سوے دارِ عقبیٰ

زالطافِ رحمٰن شود جانِ پاکش

زدیدار شاداں بجناتِ ماویٰ

چو پرسید حسرت سنِ ارتحالش

بصد رنج واندہ ز احبابِ دانا

زکی از میاں خاست آورد بر لب

۳۷

دشہیدِ محبت قتیلِ وفا، را

۱۳ ۹۶

۳۷

۱۳ ۵۹ھ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

قطعۂ تاریخ تولد نور نظر

بخانۂ برادر مکرم محمد مزمّل اللہ خاں صاحب

رئیس بھیکن پور

اسمش احمد اللہ خاں عرف بنے میاں

تعالی اللہ زہے مولود مسعود
عیاں شد از وجودش شادمانی
الٰہی سالہا ماند بعالم
بعلم و فضل و جاہ و کامرانی

شود یارب خلف اسلاف خودرا
بدین و نامِ نیکِ جاودانی
خرد چوں خواست از من بہر تاریخ
ہمایوں مصرعے روشن معانی
مرا از وجد دل جنید و گفتم
چراغے دودۂ داؤد خانی

۱۸ ۹۹
۳

ء۱۸ ۹۶

تاریخ وفات

مولوی غلام محمد صاحب شملوی

سفیر باتدبیر ندوۃ العلماء

سفیر مکرم غلام محمد
ز دار الاجل حیف آمد پیامش
سراپا عمل بود و سعی مجسم
باحیاء و لہا مسلّم کلامش
چو قربانِ دیں کرد جانِ گرامی
ز اسلامیاں باد دایم سلامش

جگر خستہ حسرت یک از مخلصانش

چو پرسید از سال حسن ختامش

بفرمود ہاتف بہ آورده آہے

۱۶

بجنات فردوس اعلیٰ مقامش

۱۳۶۸

۱۶

۱۳۵۲ھ

تاریخ وفات حسرت آیات

مولانا الحاج مولوی ریاض الدین صاحب

افضل گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

مدرس دار العلوم دیوبند

عالم و متقی ریاض الدین

بود از خوئے خوب جانِ ریاض

جست سال وفات او حسرت

ہاتف غیب گفت "شانِ ریاض"

۱۳ ۶۲ ھ

ع‍ه ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق بعمر ۸۰ سال در افضل گڑھی مدفون۔ زیر دو درختہائے بزرگ در مقبرہ کہ موسوم است بقدم رسول پیر در آنجا سنگے است کہ بر آں نشان جفت پائے ہست و بغور چناں معلوم می شود کہ بزرگے بر وقدم نہادہ رفتہ است۔ واللہ اعلم بالصواب۔ معین الدین۔

(از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ)

بچمن ہم دل بیتاب براحت نہ رسید
سرو آزاد بدیدم قدِ او یاد آمد

سید الطاف علی و شہابی وارد حبیب گنج شدند[1]
(این شعر گفتہ خواندم)

کرم کردند الطاف و شہابی
زلطفِ نور شد روشن روانم

[1] بتقریب ورود حبیب گنج مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی و سید الطاف علی بریلوی سلمہا الرحمٰن

باہتمام منیجر سید اعجاز علی
در مطبع مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ طبع شد
سنہ ۱۹۳۹ء